مگر یہ بات پروفیسر میکّے کے تجارب کے خلاف ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو مخلوط غذا کھانے کو دی اور دونو نے اسکو بخوبی ہضم کر لیا۔ پھر وائٹ اور کریمیر نے بھی ثابت کیا ہے۔ کہ وہ لوگ جو مدّت سے ایک قسم کی غذا کھانے کے عادی ہوں۔ ان میں اُن لوگوں کے مقابل میں جو اُسی غذا کو بطور تجربہ کے استعمال کریں۔ اس غذا کے اجزاء کو جذب کرنیکی کوئی خاص قابلیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ خیال درست نہیں ہے

کیا ہم پروٹین کی مقدار کو بلا خطر کم کر سکتے ہیں یہ بتا چکنے کے بعد کہ حیوانی پروٹین نباتاتی پروٹین سے افضل اور اعلیٰ ہیں اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پروٹین کی کم سے کم کتنی مقدار صحت کے لئے ضروری ہے۔ اس سوال پر مدت سے بحث چلی جا رہی ہے اور ابھی تک قطعی فیصلہ پروٹین کی اوسط مقدار کے متعلّق نہیں ہو سکا۔ ڈاکٹر وائٹ کا خیال ہے۔ کہ ہر شخص کو روزانہ ۱۲۰ گرام پروٹین کی ضرورت ہے۔ ولایت کے اطبا کی مجلس میں اسپر یہ سوال پیش ہوا کہ کیا انسان کے لئے ۱۲۰ گرام پروٹین روزانہ استعمال کرنا اشد ضروری ہے۔

پروفیسر چٹنڈن کے تجارب اس پر پروفیسر چٹنڈن صاحب نے تجربے کرنے شروع کیے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف قسم کے لوگوں پر تجربہ کیا۔ مثلاً دماغی کام کرنے والوں جیسے وکیل۔ ڈاکٹر۔ فلسفی مدبّر وغیرہ۔ اور جسمانی کام کرنے والوں جیسے پہلوان۔ زمیندار۔ مستری وغیرہ۔ ان سب کو اس نے معمولی پروٹین کی نصف مقدار کھانے کو دی۔ اور بعض کو نصف سے بھی کم۔ چنانچہ پانچ ماہ کے بعد معلوم ہوا۔ کہ اس کا کوئی مضر اثر انپر نہیں پڑا۔ اور انکی صحت میں کوئی فرق نہ آیا۔ نہ ہی دماغی ضعف محسوس ہوا۔ نہ جسمانی کمزوری معلوم ہوئی۔ بلکہ بعض کی صحت میں نمایاں ترقی ہوئی۔

ان تجارب سے کئی ڈاکٹروں نے استدلال کر لیا۔ کہ بلا گوشت غذا افضل ہے۔ اور پروٹین کی مقدار کم کر دینے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ چنانچہ اپنی تجارب کا حوالہ دیکر ہندوستان کے بعض آریہ ڈاکٹر شور مچا رہے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ گوشت غیر قدرتی غذا ہے۔ اور صحت کے لئے مضر ہے۔ حالانکہ تجارب سے تو صرف یہ ثابت ہوا تھا۔ کہ زیادہ پروٹین کی ضرورت نہیں۔ اور صرف ۵۰ گرام روزانہ کافی ہے۔ عوام الناس کی واقفیت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان تجارب کی اصلیت پر مزید روشنی ڈالی جائے۔ اور انپر باقاعدہ جرح کیجائے۔ تاکہ کسی کو ان تجارب سے دھوکہ نہ لگے۔

اُن تجارب پر جرح یوں تو بہت سے ڈاکٹروں نے اُن تجارب کی غلطیوں کو ظاہر کیا ہے۔ مگر اسپر جو جرح پروفیسر بیلی برٹن صاحب نے جو کنگس کالج لنڈن میں فزیالوجی کے پروفیسر ہیں۔ کی ہے۔ وہ بہت دلچسپ ہے اور پڑھنے کے قابل ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔ "اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اکثر امیر آدمی

پروٹین (گوشت انڈے وغیرہ) زیادہ مقدار میں کھاتے ہیں۔ اور واقعی ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ جو پروفیسر وائٹ کی بتائی ہوئی قلیل مقدار پر گذارہ کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ جن لوگوں میں گوشت کے زیادہ استعمال کی وجہ سے گُردوں کے مرض یا نقرس وغیرہ کا احتمال تھا۔ ان میں اس تجربہ کے اچھے نتائج اس وجہ سے ہوئے۔ کہ انہیں ایک عرصہ تک حدِ اعتدال کے اندر رہنا پڑا۔" یہی وجہ ہے کہ گوشت کی مقدار کم کردینے سے ان کی صحت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ ورنہ اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گوشت کا استعمال بالکل ترک کردینا چاہیئے۔

گوشت کم کھانے سے قوت مدافعت کم ہوجائے گی

پھر وہ لکھتے ہیں کہ اگر ہم سب ہمیشہ کے لئے پروفیسر چیٹنڈن صاحب کی بتائی ہوئی قلیل مقدار یعنی ۵۰ گرام پروٹین کھانا شروع کردیں تو ہم خطرناک طور پر فقط دن کاٹ رہے ہونگے۔ (جسکو پنجابی میں گذارہ کرنا کہتے ہیں) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی ناگہانی آفت آگئی۔ یا اچانک کوئی شدید مرض (از قسم نمونیا۔ ٹائی فائڈ وغیرہ) لاحق ہوگیا۔ تو اسوقت جسم کے پاس کوئی محفوظ طاقت نہ ہوگی جس سے وہ مرض مقابلہ کرسکے۔ اور مرض آناً فاناً جسم کو ہلاک کردیگی۔

غریب لوگ مُدّت سے بوجہ غربت کے پروفیسر صاحب کی بتائی ہوئی قلیل مقدار پروٹین پر گذارہ کررہے ہیں۔ مگر اُن کی جسمانی اور دماغی حالت سب پر عیاں ہے۔ اور یقیناً وہ اس قابل نہیں ہے کہ ہم سب اسکی تقلید کی کوشش کریں۔ گو چیٹنڈن صاحب کے تجارب صرف چند ماہ تک رہے۔ مگر پھر بھی اس کا نتیجہ ہوا کہ وہ سب لوگ پہلی مقدار پروٹین پر آگئے۔ اور زیادہ گوشت کھانا شروع کردیا۔

ہندوستان کے سبزی خور ملک میں جہاں کہیں کہیں گوشت خور انگریز بھی آباد ہیں۔ اوّل الذکر ہی وباؤں میں موت کا شکار ہوتے ہیں۔ جاپان والوں نے جو حال میں اسقدر جسمانی اور دماغی ترقی کی ہے اس کی وجہ بعض کے نزدیک یہی ہے کہ انہوں نے پروٹین غذا کا پہلے سے زیادہ استعمال شروع کردیا ہے یہ فیصلہ طلب امر ہے۔ آیا کہ قلیل مقدار پروٹین کو اوسط مقدار کہا جاسکے۔ کیونکہ جو پروٹین ہم کھاتے ہیں۔ اس میں سے زیادہ حصہ نائٹروجن کا یوریا کی شکل میں تبدیل ہوکر بغیر جزو بدن بننے کے جسم سے باہر نکل جاتا ہے۔ کچھ حصہ اس کا جسم کے ٹوٹے ہوئے اجزاء بدن (کیسوں) کی مرمت کے کام آتا ہے۔ اور اسکے نہایت ہی قلیل المقدار انتہائی اور باریک اجزاء جسم کے لئے اجزاء دکیسہ) بنانے کے کام آتے ہیں۔ ہم ان انتہائی باریک اجزاء پروٹین کو حاصل کرکے جزو بدن بنانے کے لئے پروٹین کو جو بظاہر زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ کھاتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ پروفیسر چٹنڈن صاحب کے چند ماہ کے تجارب سے ہم ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے۔ کہ ہم ہمیشہ کے لئے پروٹین کی مقدار کو کم کر کے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ہاں اگر چند ایسے لوگوں کی صحت جنہوں نے گوشت کے استعمال میں پہلے بے اعتدالی سے کام لیا ہو۔ اس قلیل مقدار پروٹین سے درست ہوگئی ہو۔ تو یہ اور بات ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ ہم کسی بدہضمی کے مریض کو کہدیں۔ کہ دیکھو تم دو دن صرف نصف روٹی اور چنے کے پانی پر گذارہ کرو۔ اور اس سے ہم یہ دیکھ کر کہ اسکی صحت میں نمایاں ترقی ہے۔ بھوک بھی خوب لگتی ہے۔ دماغ بھی فرحت محسوس کرتا ہے۔ یہ نتیجہ نکال لیں کہ چار روٹی روزانہ کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف نصف روٹی اور اور چنے کا پانی ایک تندرست نوجوان کے لئے کافی ہے۔ ایسا استدلال جہالت نہیں تو اور کیا ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زیادہ گوشت کھانے والوں کو کچھ دن کے لئے گوشت کی مقدار کم کر دینے سے فائدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ضروری ہے۔ کہ ان کے معدہ اور گردوں کو جن پر زیادہ بوجھ پڑا ہوا تھا۔ آرام دیا جائے۔ اور اتنا عرصہ وہ جسم کے غذا کے سٹور سے خوراک حاصل کرے۔

پھر وہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ ہو سکتا ہے کہ پروفیسر چٹنڈن صاحب کے تجارب کی کامیابی کی صرف یہی وجہ ہو کہ ان لوگوں کو ایک عرصہ تک ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرایا گیا۔ اور وہ ہر قسم کی افراط تفریط سے بچے رہے۔ اور اس میں پروٹین غذا کی کمی کا کچھ بھی دخل نہ ہو۔"

تاریخی شہادت۔ صحیح تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان ہمیشہ فطرت کے ماتحت گوشت زیادہ کھاتا آیا ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ سوائے چند ایک استثنائی صورتوں کے گوشت خور اقوام ہمیشہ سبزی خوروں پر غالب رہی ہیں"۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کل فاتح قومیں گوشت خور رہی ہیں۔ اور جب بھی انہوں نے گوشت خوری کو کم کیا۔ وہ مغلوب ہوئیں۔ النادر کالمعدوم۔

پروفیسر چٹنڈن صاحب کے تجارب کی جب پروفیسر بینی ڈکٹ صاحب نے تحقیقات کی۔ تو معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض کی صحت کو سخت نقصان پہنچا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ضرورت سے زیادہ پروٹین کیوں استعمال کریں۔ جبکہ نیچر نے انکے جمع کرنے کے لئے جس طرح نشاستہ اور چربی کے لئے انتظام ہے) کوئی سامان نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پروٹین کو جزو بدن بننے کے لئے نہایت ہی باریک اجزاء میں منقسم ہونا۔ اور چھننا پڑتا ہے۔ اور یہ جسم کے لئے نہایت قیمتی جوہر ہے۔ جس کو جسم ہرگز ضائع نہیں کر سکتا۔ اسلئے ہمیں باوجود اس بات کے کہ بہت سا پروٹین ضائع ہو جاتا ہے۔ اسے زیادہ مقدار میں کھانا

پڑتا ہے۔ کیونکہ پروٹین کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ نائٹروجن کی مقدار میں پاخانہ میں ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے۔ خواہ گوشت تھوڑا کھائیں یا زیادہ نائٹروجن اسی مقدار میں پاخانہ میں نکلیگی۔ یعنی گوشت کی مقدار کم کر دینے سے پاخانہ کی نائٹروجن کم نہیں ہوتی۔ اور گوشت کی مقدار بڑھانے سے اسکی مقدار بڑھتی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جب تھوڑا گوشت کھانے سے نائٹروجن اُسی مقدار میں پاخانہ میں خارج ہوگی جتنی زیادہ کھانے سے۔ تو پھر جسم کو پورا فائدہ پہنچانے کے لئے گوشت زیادہ مقدار میں کھانا چاہیئے کیونکہ قلیل مقدار اگر کھائی جائیگی۔ تو اس سے بمشکل فضلات کی ضرورت پوری ہوگی۔

نیچر تنگدلی سے کام نہیں لیتی

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی واسطے بڑی جسامت والا اور بڑی سرعت سے کام کرنیوالا جگر دیا ہے کہ وہ پروٹین کے فضلات کو فراخدلی سے جلا سکے۔ نیچر ان کاموں میں تنگدلی سے کام نہیں لیتی۔ چنانچہ ڈاکٹر لینتھس کہتا ہے۔ کہ بچے کے لئے نیچر اس کی ضروریات اور اسکے جسم کی پرورش سے کہیں بڑھ چڑھ کر ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیتی ہے۔ (یہ ضرورت سے دس گنا زیادہ ہوتا ہے)

بعض امراض میں گوشت کی ضرورت

امراض کے مطالعہ سے ہم کو اس امر کی شہادت ملتی ہے۔ کہ جسم کو پروٹین غذا کی بہت ضرورت ہے۔ مرض تپ دق کے جدید علاج کا بڑا جزو یہ ہے کہ مریض کو حیوانی پروٹین (انڈہ۔ دودھ۔ گوشت) خوب کھلایا جائے۔ بعض عصبی امراض میں بھی یہ غذا خاص طور پر بڑھانی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم اپنی محفوظ طاقت (قوّت مدافعت) سے ہی ان امراض پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ گو ہمیں ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ نیچر نے پروٹین کے سٹور کرنے کے لئے جسم میں کہاں جگہ رکھی ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ ایسا سٹور ضرور ہے۔ کیونکہ جسم کی قوّت مدافعت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خون کے سفید دانے امراض کے مقابلہ میں بہت کام آتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان میں ہی پروٹین کا سٹور ہو۔ بعض لوگوں میں یہ سٹور زیادہ ہوتا ہے۔ بعض میں کم۔ اوّل الذکر امراض کا مقابلہ خوب کر سکتے ہیں۔ پس خوش نصیب ہیں وہ جن کے پاس یہ سٹور زیادہ ہو۔ خون کے علاوہ جسم کے دیگر اجزاء اور غدود جو مرض کے جراثیم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ سب طاقت انکو پروٹین کی بدولت ملتی ہے۔ حیوانی پروٹین میں یہ بات خصوصیت سے پائی جاتی ہے۔ کہ ان سے جسم کی حرارت غریزی بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ حیوانی پروٹین کم کھاتے ہیں (جیسا کہ پروفیسر چٹنڈن کے تجارب نے بھی تائید کی) ان کو عموماً سردی کی شکایت رہتی ہے۔ یہ خوبی ان کے ایک خاص کیمیاوی اثر کا نتیجہ ہے۔ جسکو انگریزی میں سپیسفک ڈائنیمک ایکشن کہتے ہیں۔

پروٹین غذا کی حد بندی کرتے وقت ان کی اس خصوصیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ پس ثابت ہوا کہ ہم پروٹین کی مقدار غذا میں کم کر کے ہرگز محفوظ نہیں ہو سکتے۔ اور اگر ہم ایسا کرینگے۔ تو ہم فقط دن کاٹ رہے ہونگے۔ اور امراض نے مقابلہ کے لئے ہمارے پاس کوئی ریزرو سٹور نہ ہوگا ؛

بشارات سرور کائنات از انجیل و تورات

نمبر ۳

ہماری جماعت کے مضمون نگار فضلاء آجکل بالعموم آریہ سماج کی طرف متوجہ ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی اہم غرض یکسر الصلیب میں بیان کی گئی ہے۔ یہ مولانا غلام احمد صاحب نے اس خصوص میں جو توجہ کی وہ قابل شکریہ ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ - (ایڈیٹر)

گذشتہ صحبت میں میں نے تورات سے یعنی عہد عتیق سے اُن دس مفصّل پیشگوئیوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ کہ جن سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ اور ہر ایک پیشگوئی میں ایسے قرائن موجود ہیں جو نبی عربیؐ کی تخصیص کرتے ہیں۔ آج میں بفضلہ تعالیٰ انجیل سے چند ایسی پیشگوئیوں کا ذکر کرتا ہوں۔ جو حضور صلعم کے حق میں ہیں۔

(۱) حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:۔ "توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے" متی ۴/۱۷ نیز لوقا ۴/۴۳ میں اپنی غرض بعثت بھی یہی مقرر کی ہے۔ فرمایا "مجھے اور شہروں میں بھی خدا کی بادشاہت کی خوشخبری سُنانی ضرور ہے" پھر اپنے حواریوں کو بھی اسی امر کی تلقین کی ہے۔ "اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے"

ان تمام حوالجات سے ثابت ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کا کام یہی تھا۔ کہ خدا کی بادشاہت یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی منادی کریں۔ اور اُنکے لئے راستہ صاف کریں۔

ایک سوال کا جواب

عیسائی صاحبان کہا کرتے ہیں۔ کہ اس آسمانی بادشاہت سے مراد خود حضرت مسیحؑ کی آمد ہی ہے۔ مگر ان کا یہ خیال کئی وجوہ سے باطل ہے۔ **اوّل** ۔حضرت مسیحؑ یہ فرماتے ہیں۔ کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ اگر آپ ہی مراد ہوتے۔ تو فرماتے آسمان کی بادشاہت آگئی ہے۔ **دوئم**۔ اگر خود اس امر کا ادعا کرنے سے جھجکتے تھے۔ تو کم از کم اپنے حواریوں کو ہی فرما دیتے۔ کہ تم دنیا میں خدا کی بادشاہت کے آجانے کے اعلان کرو۔ نہ کہ نزدیک اور قریب آنے کا۔ مگر

ایسا نہیں۔ بلکہ حواریوں کو بھی یہی ارشاد فرمایا۔ کہ بادشاہت کے نزدیک آنیکا اعلان کرو۔ سوئم حضرت مسیحؑ نے اپنی آمد کو بیٹے کی آمد قرار دیا ہے۔ اور بعد کے آنیوالے نبی کو خدا کی آمد قرار دیا ہے۔ مثلاً متی ۲۱ : ۳۳ تا ۴۴ میں انگوری باغ کی تمثیل بیان فرمائی ہے۔ کہ مالک نے نوکروں کو بھیجا۔ تو بیٹے کے قتل ہونے کے بعد مالک خود آئیگا۔ اور اس باغ کا ٹھیکہ کسی اور قوم کو دیگا۔ پھر اس تمثیل کے بعد صریحاً ذکر فرمایا۔ کہ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں خدا کی بادشاہت تم سے لیلی جاویگی اور اس قوم کو (مراد بنی اسمٰعیل) جو اسکے پھل لائیگی دیدی جائیگی۔ پس اس تمثیل میں عام نوکروں سے مراد دوسرے نبی ہیں کہ یہودیوں نے کسی کو پکڑا کسی کو پیٹا اور قتل کیا۔ پھر مالک نے بیٹے کو بھیجا۔ مگر ان لوگوں نے اُسے بھی قتل کیا۔ اب مالک خود آئیگا۔ یہی آسمانی بادشاہت ہے۔ جو بنی اسرائیل سے لیکر کسی اور قوم کو دی جاویگی۔

وجہ چہارم۔ کہ حضرت مسیحؑ مراد نہیں۔ بلکہ آنیوالا نبی ہے۔ خود حضرت مسیحؑ نے ایک اور جگہ اسی امر کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً "پس جو معجزہ اس نے دکھایا وہ لوگ اُسے دیکھ کر کہنے لگے جو نبی دنیا میں آنیوالا تھا فی الحقیقت یہی ہے۔ پس یسوع یہ معلوم کرکے کہ وہ آکر مجھے بادشاہ بنانے کے لئے پکڑا چاہتے ہیں پھر پہاڑ پر اکیلا چلا گیا" یوحنا ۶ : ۱۴ و ۱۵ گویا ایک عظیم الشان نبی کا انتظار تھا۔ جسکی عظمتِ شان کا یہ عالم تھا۔ کہ گو کئی نبیوں کا وعدہ تھا۔ مگر اس نبی کو وہ نبی۔ یا جس نبی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ گویا یہی الفاظ اسکی ذات کو مخصوص کردیتے تھے۔ جب حضرت مسیحؑ نے سمجھا۔ کہ میرے اس معجزہ سے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی۔ اور مجھے اُن لوگوں نے وہ عظیم الشان نبی سمجھ لیا۔ تو وہاں سے چلے گئے۔

اب ایک ادنیٰ بصیرت کا شخص بھی معلوم کرسکتا ہے۔ کہ وہاں پر کوئی جسمانی بادشاہ بنانے کا کچھ ذکر نہ تھا۔ اور نہ بادشاہ کو پکڑ کر بادشاہ بنایا جاتا ہے۔ نہ ہی حضرت مسیحؑ کا دعویٰ جسمانی بادشاہ کا تھا۔ پس روحانی بادشاہت کا ذکر ہے۔ اور روحانی بادشاہ ہی بنانا چاہا۔ مگر انہوں نے انکار کیا۔ کیونکہ وہ روحانی بادشاہ نہ تھے۔ بادشاہ بعد میں خود مالک آنیوالا تھا۔ وہ ایک ولی عہد تھے۔

پس ان وجوہات اربعہ کے ماتحت یہی صحیح بات ہے۔ کہ خدا کی بادشاہت سے مراد حضور صلعم کی آمد ہے جس کی منادی کرنے کا فخر حضرت مسیحؑ کو حاصل تھا ؎

---

(۲) "وہی پیشگوئی ہے جس کا ذکر اجمالاً تو پہلے ہو چکا۔ اب بالتفصیل اس کو بیان کرتا ہوں حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔ ایک اور تمثیل سنو ایک گھر کا مالک تھا جس نے انگوری باغ لگایا اور اسکے چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اُسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دیکر پردیس چلا گیا اور جب پھل کا

موسم قریب آیا تو اُس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا۔ اور کسی کو سنگسار کیا پھر اُس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انہوں نے انکے ساتھ بھی اُسی طرح کیا آخر اُس نے اپنے بیٹے کو انکے پاس یہ کہکر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کرینگے جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا کہ یہی وارث ہے آؤ اسے قتل کرکے اسکی میراث پر قبضہ کرلیں اور اُسے پکڑ کر باغ سے باہر نکالا اور قتل کردیا پس جب باغ کا مالک آئیگا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کریگا؟ انہوں نے اُس سے کہا اُن بُرے آدمیوں کو اسی طرح ہلاک کریگا اور باغ کا ٹھیکہ اور باغبانوں کو دیگا جو موسم پر اسکو پھل دینگے یسوع نے اُن سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتّھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتّھر ہوگیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہُوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے مَیں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لیلی جائیگی اور اس قوم کو جو اسکے پھل لائے دیدی جائیگی اور جو اس پتّھر پر گریگا اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاوینگے مگر جس پر وہ گریگا اُسے پیس ڈالیگا۔" متی $\frac{21}{33 \text{ تا } 44}$

یہ پیشگوئی کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ بالتصریح بیان کیا گیا ہے۔ کہ اے یہودیو! تمھارے پاس خدا نے اپنے نوکروں (انجیلی محاورہ میں خادم نبی کو کہا جاتا ہے اعمال وغیرہ) یعنی نبیوں کو بھیجا۔ پھر اس نے اپنا بیٹا بھیجا۔ اب پھر وہ خود آئیگا۔ اور ٹھیکہ کسی اور قوم کو دیدیگا۔ وہ قوم کون ہوگی؟ اسکی تعیین کردی اور تمثیل میں بیان کرتے ہوئے ایک اور گذشتہ پیشگوئی کی بھی تشریح کردی۔ یعنی اس قوم سے مراد وہ قوم ہے جس کا ذکر زبور $\frac{118}{22 \text{ و } 23}$ میں ہے جس میں لکھا ہے۔ کہ جس پتّھر کو ——— مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے۔" اس پیشگوئی کی تفصیل مَیں پہلے نمبر میں کرچکا ہوں یہاں پر بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ وہ نبی جسکو مالک کا خود آنا۔ خداوند کے نام سے آنا۔ کونے کے سرے کا پتّھر۔ وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا۔ اور جسکے متعلق کہا گیا۔ روحانی بادشاہت تم سے یعنی بنی اسرائیل سے چھین کر کسی اور کو دیجاویگی۔ اُس نبی کی یا اس پتّھر کی نشانی بتائی ہے۔ کہ اسکے مخالف اگر اسپر گرینگے تو وہ خود چکنا چور ہونگے۔ لیکن وہ پتّھر اگر کسی پر گریگا۔ تو پیس دیگا۔ چنانچہ یہ حالت سوا محمد عربی صلعم کے اور کسی پر نہیں آئی۔ حضور صلعم کے مخالفوں نے لڑائیاں شروع کیں۔ مگر باوجود بڑے بڑے ساز و سامان اور معقول تعداد اور بڑے بڑے جنگجو بہادران کے پھر مسلمانوں کی بے کسی اور غربت اور کمزور ہونے کے ایسی فاش شکست کھا گئے ایسے چکنا چور ہوئے۔ کہ انہیں ویسی ہمت نہ ہوئی۔ غرضیکہ پہلی و پچھلی ہر قسم کی لڑائیوں میں ذلت ہی دیکھی۔ مگر حضرت عیسیٰؑ بقول عیسائی صاحبان ایسے تھے۔ کہ اُنپر

یہودی گر پڑے۔ تو غالب آ گئے۔ کہ اپنی منشا پوری کر لی۔ اور بالمقابل حضرت مسیحؑ یہود پر نہ گر سکے نہ پیس سکے۔

---

(۳) بقول عیسائی صاحبان حضرت مسیحؑ نے آسمان پر جاتے وقت اپنی قوم کو وصیت کی "اور دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اسکو تم پر نازل کرونگا۔ لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھیرے رہو" لوقا ۲۴/۴۹ یہاں پر دو باتوں کا وعدہ دیا گیا (۱) خدا تعالیٰ نے جس نبی یا سردار کے بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ آئیگا۔ مگر (۲) ضروری ہے۔ کہ قوت کا لباس بھی ملے۔ پس اس لباس ملنے تک تم اس شہر میں رہو۔ پھر تمہیں لباس ملیگا اور اسکے بعد وہ نبی اور سردار کو بھیجا جائیگا۔ اب ہم خود انجیل سے ہی قوت کے لباس ملنے کا پتہ لگاتے ہیں۔ تو اعمال ۱/۸ سے ثابت ہے۔ کہ وہ قوت روح القدس نازل ہونے سے ہو گی چنانچہ فرمایا "لیکن جب روح القدس تم پر نازل ہوگا تو تم قوت پاؤ گے"۔ اب روح القدس ملنے کا ذکر بھی اسی اعمال ۲/۱ تا ۴ میں ہے۔ کہ آسمان پر اٹھائے جانے کے کئی دن بعد روح القدس مل چکا تھا۔ اور حواری اس روح القدس کی تائید سے کام کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ وہ سردار جس کا وعدہ خدا نے کیا تھا۔ کون ہے؟ سوائے محمد عربی صلعم اور کوئی نہیں جس نے دعویٰ کیا ہو۔ کہ میں مسیحؑ کی بشارت کا نتیجہ ہوں۔ اور میں وہ موعود ہوں ؛

---

(۴) اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے۔ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا۔ کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا۔ کہ پھر کون ہے کیا تو ایلیاء ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں (انہوں نے پھر کہا) کیا تو وہ نبی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون ؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا میں جیسا یشعیاہ نبی نے کہا ہے۔ بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں۔ کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے انہوں نے اس سے یہ سوال کیا۔ کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاء نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ یوحنا ۱/۱۹ تا ۲۵ اس کلام سے ثابت ہے۔ کہ (۱) یہودیوں کو صرف تین ہی نبیوں کا انتظار تھا۔ (۱) ایلیا کا (۲) مسیح کا (۳) وہ نبی جسکی عظمت اور جلالۃ شان کا یہ عالم ہے۔ کہ اسے وہ نبی کہکر معرف کیا جا سکتا ہے۔ کہ اسکی شان ارفع کا سب کو علم ہے۔ (۲) انہوں نے اسی خیال سے ایلیاہ کی طرف آدمی بھیجے۔ کہ تو جب دعویٰ نبوت کرتا ہے۔ بپتسمہ دیتا ہے۔ تو کون ہے؟ آیا ایلیاہ ہے (بموجب ملاکی ۴/۵) یا مسیح ہے بموجب یسعیاہ ۱۱/۱

یا دیگر پیشگوئیوں کے مطابق) یا کوہ نبی ہے (جس کا انتظار ہے) تو حضرت یوحنا (یحییٰؑ) نے مسیح و ایلیا اور وہ نبی تینوں کے ہونے سے انکار کیا تو انہوں نے تعجب کیا۔ کہ انہیں تینوں کا وعدہ تھا۔ جب تو ان تینوں میں سے کوئی نہیں۔ تو بپتسمہ کیوں دیتا ہے[1]۔

اب انجیل سے ہی ہم معلوم کرتے ہیں۔ تو حضرت مسیحؑ کا ارشاد نظر آتا ہے "اور چاہو تو مانو ایلیاہ جو آنیوالا تھا یہی (یوحنا) ہے جس کے کان سننے کے ہوں سن لے" متی ۱۱/۱۴و۱۵ و متی ۱۷/۱۲ میں لکھا ہے "لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا۔ اب باقی دو ہی موعود رہ گئے۔ مسیح اور وہ نبی۔ خود یسوع مسیح نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اور ہمارے عیسائی صاحبان کا یہی عقیدہ ہے۔ کہ یوحنا ایلیاہ تھا۔ اور مسیح مسیح تھا۔ اب وہ نبی کے ظہور کا وعدہ باقی رہا۔ پس وہ نبی حضرت محمد عربی صلعم ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں۔ جو عظیم الشان ہو اور تمام رسولوں کے سرتاج ہونے کا دعویدار ہو بجز حضرت محمد عربی صلعم کے۔

(۵) "اے عورت میری بات کا یقین کر کہ وہ وقت آتا ہے۔ کہ نہ تم اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کرو گے اور نہ یروشلم میں" یوحنا ۴/۲۱ یعنی یہ مروجہ قبلے منسوخ ہو جاوینگے اور ایک اور نیا قبلہ قائم ہوگا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہودیوں کے ہاں تنازع تھا۔ بعض قبایل کہتے تھے۔ کہ ایبال پہاڑ پر ہمارے بڑوں نے عبادت کی ہے۔ پس بعض کا قبلہ وہ تھا اور بعض کا قبلہ جرزیم پہاڑ تھا۔ یہ دونو پہاڑ بیت المقدس کے ہیں۔ یعنی ایک شہر کے اندر آگیا اور ایک پہاڑ حدود شہر سے باہر رہا تھا۔ یہی اختلاف انکی نسلوں میں تھا۔ کوئی کسی طرف منہ کرتا اور کوئی کسی طرف۔ تو جب یسوع مسیح نے سامری عورت سے گفتگو کی۔ تو اس عورت نے اول تو اپنی فراست سے پہچانا کہ جناب مسیحؑ نبی ہیں۔ اور پھر ان سے سوال کیا۔" چنانچہ وہ کہتی ہے "اے خداوند مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے۔ ہمارے باپ دادوں نے اس پہاڑ پر پرستش کی اور تم کہتے ہو کہ وہ جگہ پرستش کرنی چاہیئے یروشلیم میں ہے" یوحنا ۴/۱۹و۲۰ تب جناب مسیح نے مذکورہ بالا جواب دیا۔ اور پیشگوئی فرمائی۔ کہ وہ وقت آتا ہے۔ جب کہ دونو قبلے منسوخ ہو کر ایک نیا قبلہ قائم ہوگا۔ یہ پیشگوئی حضور صلعم کی ہے۔ اور بیت اللہ کے قبلہ بنائے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ اگر حضرت مسیحؑ نے اپنی آمد مراد لی تھی۔ تو ضرور خود ہی انکو منسوخ کر کے کسی خاص قبلے کی تعیین کرتے مگر دنیا جانتی۔ دوست دشمن مقر ہے۔ کہ وہ نبی جس نے گذشتہ قبلوں کو منسوخ کر کے ایک نیا قبلہ تجویز

[1] حضرت یوحنا (یحییٰؑ) کے انکار سے اور حضرت مسیحؑ کے اقرار سے کہ یہی ایلیاہ ہے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نبی کو اگر پہلی حالت میں اپنی شان کا کماحقہ علم نہ ہو۔ یا وہ کمال احتیاط کی بنا پر انکار کرے۔ تو بھی جائز ہے۔

کیا وہ نبی عربی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ پس اس پیشگوئی نے صاف بتادیا۔ کہ حضرت مسیحؑ اپنے بعد ایک صاحب شریعت نبی کے آنیکو ضروری خیال کرتے تھے۔ اور اپنی قوم کو بتا گئے۔ کہ ایسا نبی بھی آئیگا جو شریعت موسوی کو منسوخ کرکے ایک نیا قبلہ تجویز کریگا۔

---

(۶) "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے اور میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشیگا۔ کہ ابد تک ساتھ رہے یوحنا ۱۴/۱۶و۱۷ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں" یوحنا ۱۴/۳۰

یہ پیشگوئی بھی واضح ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کے سوا کوئی اور مددگار جو دوسرا ہوگا آئیگا۔ وہ ابد تک ساتھ رہیگا وہ دنیا کا سردار ہوگا۔ اور حضرت مسیحؑ اس سے کم تر ہونگے۔ ان آیات کے حاشیئے میں مددگار کیلئے دوسرا لفظ وکیل یا شفیع استعمال ہوا ہے پس ثابت ہوا۔ کہ وہ نبی جس کی نبوّت و شریعت قیامت تک ہوگی۔ جو شفیع المذنبین ہونے کا مدعی ہوگا جس کا دعویٰ بادشاہوں کی سرداری کا ہوگا۔ اُس کے آنیکی پیشگوئی ہے۔

لہٰذا دنیا مانتی ہے۔ کہ وہ نبی محمد مصطفےٰ صلعم ہی ہیں جنہوں نے قل یا ایھا الناس انّی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا کا دعویٰ کرتے ہوئے انا والساعۃ کھاتین واشار الی السبابۃ والوسطیٰ (کہ میری شریعت قیامت تک ممتد ہے) کے الفاظ سے اپنے نبوّت و رسالت کی تعمیم پر تصریح کی ہے وہ موعود وہی سرورِ کائنات ہیں جنہوں نے انا سیّد ولد آدم کا دعویٰ کیا وہ نبی حضورؐ ہی ہیں جنہوں نے اُعطیت الشفاعۃ فرماکر تمام انبیاءؑ گذشتہ و آئیندہ پر اپنی فضیلت کا اظہار کیا۔ اور کہدیا۔ کہ میں شفیع ہوں اور دوسرا کوئی شفیع نہیں۔

عیسائی صاحبان اس پیشگوئی سے روح القدس کا مصداق لیتے ہیں۔ مگر بوجوہ ذیل انکا دعویٰ غلط ہے۔ (۱) روح القدس ابد تک ساتھ نہیں رہا۔ خود عیسائیوں کے قول پر صرف بارہ حواریوں تک محدود رہا۔ کہ وہ مسیحی معجزے دکھاتے رہے۔

(۲) وہ مددگار حضرت مسیحؑ کی روانگی کے بعد آئیگا۔ مگر روح القدس تو مسیحؑ کی زندگی میں ساتھ تھا۔

(۳) وہ شفیع ہونیکا مدعی ہوگا۔ مگر روح القدس کا کہیں دعویٰ مذکور نہیں۔ کہ وہ شفیع المذنبین ہوگا۔

(۴) آنیوالا موعود تمام دنیا کا سردار ہونے کا مدعی ہوگا۔ مگر روح القدس تو بقول عیسائی صاحبان تمام دنیا کی سردار نہیں اور نہ ہی خود اس کا دعویٰ کہیں مندرج ہے۔

(۵) حضرت مسیحؑ نے خود اس مددگار اور شفیع کو اپنے سے بڑا مانا ہے۔ کہ "مجھ میں اسکا کچھ نہیں"۔ مگر عیسائی صاحبان مانتے ہیں۔ کہ حضرت مسیحؑ روح القدس سے افضل تھے ❖

---

(۷) "لیکن جب وہ مددگار آئیگا جس کو مَیں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجونگا یعنی سچّائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے۔ تو وہ میری گواہی دیگا" یوحنا ۱۵/۱۶ "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچّائی کا روح آئیگا تو تم کو تمام سچّائی کی راہ دکھائیگا۔ اسلئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا بلکہ جو کچھ سُنیگا وہی کہیگا اور تمھیں آئیندہ کی خبریں دیگا وہ میرا جلال ظاہر کریگا" یوحنا ۱۶/۱۲ تا ۱۴ ہر ایک وہ شخص جسے حضور صلعم کے دعویٰ سے واقفیّت ہے۔ اور جس نے قرآن شریف کا اُردو ترجمہ ہی سرسری نظر سے پڑھا ہوگا وہ ان الفاظ کو پڑھتے وقت معاً پکار اُٹھیگا۔ کہ یہ پیشگوئی لاریب محمد عربی صلعم پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ (۱) حضور وہی رسول اکرمؐ ہیں جنہوں نے حضرت مسیحؑ کے بعد آکر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونیکا دعویٰ کیا اور اور حضرت مسیحؑ کی نبوّت و رسالت اور آپکی ذات و صفات کو سچّا ثابت کیا۔ اور آپکے جلال یعنی حقیقی شان کو ظاہر کیا۔ (۲) حضور صلعم ہی ہیں جنہوں نے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کہکر "تمام سچّائی کی راہوں" کو دکھا دیا۔

(۳) حضور صلعم ہی ہیں جنہوں نے ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحیٌ یوحیٰ کی بلند آواز سے ظاہر کیا۔ کہ مَیں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ بلکہ بقول حضرت مسیحؑ "وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا بلکہ جو کچھ سُنیگا وہی کہیگا" خدا تعالیٰ سے خبر پاکر ہر حکم سُناتا ہوں۔

(۴) وہ حضور صلعم ہی ہیں۔ جنہوں نے اپنی اُمّت کی ایسی زبردست تربیت کی۔ اور روحانیّت کے ایسے مراتب طے کرائے۔ کہ ایّدھم بروحٍ منہ کی شان میں ہزارہا نفوس کو مسیح کے مشابہ بنا دیا۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے کمالات کو حاصل کر چکے تو علوم روحانیہ کا خزانہ قرآن شریف جیسی کتاب اُنکے سپرد کر دی۔ اور فرق ظاہر کر دیا۔ کہ حضرت مسیحؑ نے اپنی قوم کو کمزور پاکر کہدیا کہ میری باتوں کی تم برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر مَیں تم کو مضبوط جانتا ہُوا قرآن شریف جیسی کامل کتاب دیتا ہوں جس میں روحانیت کی ہر بات مشرّح و مفصّل بیان کی گئی ہے۔ اور اب کوئی کمی نہیں رہی۔

(۵) وہ موعود حضور صلعم ہی ہیں جنہوں نے کامل طور پر "وہ غیب کی خبریں دیگا" والی شان کو نباہا۔ نہ صرف قرآن کریم ہی آیندہ واقعات کو پیش کرکے اپنی صداقت کو مبرہن کرتا ہے۔ اور دین اسلام کی ہر وقت

کی تازگی کا ثبوت دیتا ہے۔ بلکہ خود نبی کریم صلعم نے بھی اپنی اُمت میں رونما ہونیوالے واقعات کو مفصل بیان کیا مزید برآں تمام دنیا کے حوادث جو قیامت سے کے واقعات تھے ان کو مفصل بیان کردیا۔ تا آئیوالی نسلوں کو معلوم ہو جاوے۔ کہ ریگستان میں رہنے والا اَن پڑھ ان واقعات کو ڈیڑھ ہزار سال یا کم وبیش پہلے بیان نہیں کرسکتا۔ جب تک عالم الغیب اور قیوم ہستی کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو ۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی پاک ذات ازروئے پیدائیش و وفات کو اور آپکی سچی شان کو جیسا نبی کریم صلعم نے بیان کیا ہے ویسا آج تک کوئی نہیں بیان کرسکا۔ حضرت مسیحؑ کے وقت کی دو قومیں ہیں یہود۔ عیسائی۔ یہودی تو حضرت مسیحؑ کو بلحاظ پیدائیش (معاذ اللہ) اچھا نہیں بتلاتے۔ اور موت کے لحاظ سے بھی ازروئے استثنا ۲۳/۱۸ (نعوذ باللہ) لعنتی قرار دیتے ہیں۔

ادھر عیسائی لوگ بھی ازروئے گلتیوں ۳/۱۳ لعنتی بننا تو مانتے ہیں۔ مگر بایں طور کہ اُن کی خاطر۔ ساتھ ہی بے باپ پیدائیش سے اس کی خدائی کے قائل ہیں۔ غرضیکہ دونو قوموں میں سے کوئی ایسا فرقہ نہیں جو حضرت مسیحؑ کو انکی اپنی حقیقی شان میں مانتا ہو۔ یہودیوں کا مُنہ اگر بند کیا تو قرآن پاک نے۔ عیسائیوں کو صحیح رستہ دکھایا۔ تو حضور صلعم کی پاک وحی نے۔ صرف دو جملوں میں دونو قوموں کو ایسا ساکت کیا۔ کہ کوئی اسکو توڑ نہ سکا۔

(۱) والسلام علیّ یوم ولدتُ ویوم اموت ویوم اُبعث حیًّا۔ یہودیوں کو بتادیا۔ کہ موت و وفات دونو وقت اس پر سلامتی تھی۔ عیسائیوں کو بتادیا۔ کہ وہ خود وُلدتُ اور اموت کے قائل تھے۔ پس خدا نہ ہوئے۔

(۲) ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم یہودیوں کو بتادیا۔ کہ اگر ظاہری باپ نہ ہونیکی وجہ سے شک کرتے ہو اور عذر یہ پیش کرتے ہو۔ تو اپنے بابا آدم کو دیکھو۔ جب خدا تعالیٰ نے اُسے بن باپ اور بن ماں پیدا کردیا۔ تو کیا مسیح کو پیدا نہیں کرسکتا۔ عیسائیوں کو جواب دیا۔ کہ اگر بن باپ ہونیکی وجہ سے کوئی شخص خدا ہوسکتا ہے۔ تو آدمؑ بدرجہ اولیٰ خدا ہیں۔ کہ ماں بھی نہیں ہے۔

پس اگر انجیل کو دیکھو۔ یا عیسائیوں کے معتقدات کا خیال رکھو۔ تو حضرت مسیحؑ کی اپنی شان گم ہے۔ مگر قرآن شریف نے اسکی وضاحت کردی۔ اور مذکورۃ الصدر پیشگوئی کے مصداق اپنے آپکو قرار دیا ؛

---

(۸) ”اسی طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمھارے واسطے مقرر ہوا یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے۔ کہ وہ آسمان میں اسوقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں

بحال نہ کیجاویں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے۔ جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لئے مجھ سا ایک نبی برپا کریگا " اعمال $\frac{۳}{۲۰ \text{ تا } ۲۲}$

یہ پیشگوئی اپنا مطلب بتانے میں صاف ہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری کے دوبارہ آنے سے قبل وہ نبی ضرور ظاہر ہوگا جس کا وعدہ دیگر انبیاء کی معرفت عموماً اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خصوصاً ہوا۔ کہ وہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا صاحب شریعت ہوگا جیسا حضرت موسیٰ ع نے سلسلہ موسویہ کی بنیاد رکھی ویسے وہ بھی ایک عظیم الشان سلسلہ کی بنیاد رکھیگا۔ اور وہ نبی موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ تاریخدان اصحاب جانتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل تھے۔ پس یہ پیشگوئی ایسی واضح اور زبردست ہے کہ ہر عیسائی کو مجبور کرتی ہے کہ رسول کریم صلعم پر ایمان لائے کیونکہ اگر وہ حضرت مسیح ع کی آمد ثانی کا منتظر ہے۔ اور موجودہ وقت وہ آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے ہے۔ تو اُسے ضرور ماننا پڑیگا۔ کہ وہ موعود نبی ضرور آچکا ہے۔ ورنہ اگر موعود نبی نہیں آیا۔ تو اُن کا انتظار فضول ہے۔ پس عیسائیوں کا موعود نبی کو نہ ماننا اور پھر مسیح کی آمد ثانی کا منتظر رہنا اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ ان کو حق مطلوب نہیں بلکہ ہٹ دھرمی اور تعصب سے کام لے رہے ہیں۔ بفرض محال اگر وہ اس پیشگوئی کا مصداق بزعم خود کسی اور نبی کو سمجھ رہے ہیں تو اس کو پیش کریں۔ کہ حضرت مسیح کے بعد موعود نبی فلاں ملک میں اپنی خصوصیات کے ساتھ ظاہر ہوا۔

اگر کوئی نبی بھی نہیں آیا۔ تو پھر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے میں کیا عذر مسموع ہو سکتا ہے بلکہ تمام صفات بیان کردہ کے مصداق وہی ہیں۔

---

(۹) " نبوتیں ہوں تو موقوف ہو جائینگی زبانیں ہوں تو جاتی رہینگی۔ علم ہو تو مٹ جائیگا کیونکہ ہمارا علم ناقص ہے اور ہماری نبوت ناتمام لیکن جب کامل آئیگا تو ناقص جاتا رہیگا۔" قرنتیوں ا $\frac{۱۳}{۹ \text{ و } ۱۰}$

اس پیشگوئی کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ خود پولوس رسول مقر ہیں۔ کہ اور نبوتیں زبانیں موقوف ہو جاوینگی۔ باقی تمام علوم روحانیہ کا فیض مٹ جائیگا۔ حتیٰ کہ ہمارا (یعنی عیسائیوں کا) علم روحانی بھی جو اب جاری ہوا ہے بسبب اپنے ناقص رہنے کے مٹ جائیگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہماری نبوت ناتمام ہے۔ مگر بعد میں ایک کامل و تام شریعت جاری ہوگی۔ علوم روحانیہ کے فیض کا دروازہ بعد میں ایسا کھلیگا جو تمام پہلی شریعتوں تمام پہلی ہدایتوں پر سبقت لیجائیگا۔ اور ان سب کو مات کر دیگا۔ چنانچہ الیوم

اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کے ارشاد نے اس امر کی توضیح و تصدیق کر دی اور بتا دیا۔ کہ اس پیشگوئی کا مصداق بھی موجود ہے جس کی وحی پر بجائے "ناقص" "کامل" کا اطلاق کیا گیا اور بجائے "ناتمام" کے اتمام کا اظہار کیا گیا۔

اس پیشگوئی نے جہاں یہ ظاہر کیا۔ کہ پولوس رسول اپنی شریعت اور طریقت کو غیر مکمل و ناقص بتلاتے ہوئے اسکے مٹ جانے یعنی منسوخ ہونیکا وعدہ کر رہے ہیں وہاں پر یہ امید بھی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ تغیرات ایک شریعت تامہ کاملہ کے آنے پر ہونگے۔ پس وہ شریعت آگئی۔ اور مبارک ہیں جو اس کی شرن میں آگئے ٭

(۱۰) "پھر میں نے ایک اور زور آور فرشتے کو بادل اوڑھے ہوئے آسمان سے اترتے دیکھا اس کے سر پہ دھنک تھی اور اس کا چہرہ آفتاب کی مانند تھا اور اسکے پاؤں آگ کے ستونوں کی مانند اور اسکے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کھلی ہوئی کتاب تھی اس نے اپنا دہنا پاؤں تو سمندر پر رکھا اور بایاں خشکی پر اور ایسی بڑی آواز سے چلایا جیسے ببر دھاڑتا ہے۔ اور جب وہ چلایا تو گرج کی آوازیں سنائی دے چکیں تو میں نے لکھنے کا ارادہ کیا اور آسمان سے یہ آواز آتی سنی کہ جو باتیں گرج کی ان سات آوازوں سے سنی ہیں ان کو پوشیدہ رکھ اور تحریر نہ کر ———— اب اور دیر نہ ہوگی بلکہ ساتویں فرشتے کے آواز دینے کے زمانے میں جب وہ نرسنگا پھونکنے کو ہوگا تو خدا کا پوشیدہ مطلب اُس خوشخبری کے موافق جو اُس نے اپنے بندے نبیوں کو دی تھی پورا ہوگا۔" مکاشفہ ۱۰ شروع

اس پیشگوئی کی تشریح کرنے سے قبل میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ رؤیا اور کشوف میں بالکل صراحت نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ بعض امور میں ابہام ہوتا ہے۔ اور بعض امور میں اشارہ ہوتا ہے نیز اُن کے مطالب اخذ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ کسی نہ کسی رنگ میں تاویل و تعبیر کی جاوے۔ کیونکہ جہاں بعض خوابیں اپنے تمام الفاظ اور حالات سے بعینہ پوری ہو جاتی ہیں وہاں پر بعض خوابیں کسی اور رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ پھر بعض کشوف ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ متعدد و مختلف ہونے کے باوجود اُن کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی بات میں چند نظارے یکے بعد دیگرے ایک شخص کو دکھائے جاتے ہیں۔ خواہ ان میں بیداری کا وقفہ ہو یا نہ ہو مگر ان سب کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ ایسا ہی یوحنا عارف کے مکاشفات میں آدم علیہ السلام سے بلکہ قیامت بلکہ قیامت کے بعد تک حالات بھی مندرج ہیں۔ بعض واقعات گذشتہ کو بھی

ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اکثر آنیوالے واقعات کو۔ گو آئندہ کے واقعات میں سے کئی ایسے واقعات ہیں جن کو مختلف پیراؤں میں ظاہر کیا گیا۔ مثلاً دجّال۔ یاجوج و ماجوج۔ قیامت کے ابتدائی اور آخری نشانات وغیرہ تا متعدد دفعہ ذکر کرنے سے اچھی طرح تفہیم ہوجاوے۔ چنانچہ ایسا ہی رسول کریم صلعم کی بعثت اولیٰ اور بعثت ثانیہ کے متعلق بھی کئی دفعہ ذکر آیا ہے۔ کبھی حضورؐ کے معراج کیحالت کا نقشہ کھینچا گیا۔ کبھی کسی اور حالت کا۔

مذکورۃ الصدر پیشگوئی میں رسول کریم صلعم کو دیکھا گیا ہے۔ سر پر افلاک ہونے سے مراد قاب قوسین والی شان کا اظہار مقصود ہے۔

چہرہ آفتاب کی مانند ہونے سے سراجاً منیراً کا لقب مراد ہے۔ کہ بلا واسطہ اس دنیاوی و جسمانی سورج کی طرح بھی روشنی دیتے ہیں۔ اور بالواسطہ بھی اسی جسمانی سورج کی طرح دو طرح روشنی دیتے ہیں۔ (۱) ستاروں کے ذریعہ یعنی اپنے صحابیوں اور مجددین امت کے ذریعے۔ (۲) چاند کے ذریعے یعنی بدر اتم چودھویں صدی مجدد اعظم مسیح موعود و مہدی معہودؑ اور امتی نبی کے ذریعے۔ چھوٹی سی کھلی ہوئی کتاب (جسے عبرانی میں فتوحہ کہتے ہیں) سے مراد سورہ فاتحہ ہے جسکی سات ہی آیتیں ہیں)۔ جو فرشتے کی سات گرجوں کی مانند ہیں۔ جبھی کہا گیا۔ کہ ان گرجوں کو سربمہر رکھو۔ اور تحریر نہ کرو۔ کیونکہ انکی راز کو وہ شخص ظاہر کریگا جسکی نسبت پہلے نبیوں نے خبر دی تھی۔ یعنی محمد عربی صلعم جیسے پیشگوئی نمبر ۸ میں ظاہر ہوچکا ہے۔ فرشتے کے دو پاؤں ایک خشکی اور ایک پر ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ اسکی شریعت بحر و بر دونو کے لئے ہوگی۔ یعنی حضرت مسیحؑ کی طرح صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے ہی وہ نبی نہ ہوگا۔ بلکہ ہر اسود و احمر اور ابیض و ارزق کے لئے اسکی رسالت ہوگی۔ نیز ظہر الفساد فی البر والبحر کے وقت وہ ظاہر ہوگا۔ یعنی جب مذہبی قومیں جن کو شریعت دیگئی وہ بھی بلحاظ عقائد و اعمال خراب ہوجاوینگی۔ نیز وہ قومیں جو شریعت سے خالی تھیں وہ بھی خراب ہونگی تب وہ نبی آئیگا اور دونو پر اپنا پیر رکھیگا۔ یعنی دونو پر روحانیت کا تسلط جمائیگا۔

انہیں مکاشفات میں ایک جگہ نبی کریم صلعم کا معراج والا واقعہ بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً "پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے۔ اور اس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق کہلاتا ہے۔ اور راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے۔ اور اسکی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں اور اسکے سر پر بہت سے تاج ہیں۔ اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا

اور کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے اور اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے۔ ——— اسکی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ——— بڑی آواز سے چلّا کر آسمان کے سارے اُڑنے والے پرندوں سے کہا۔ آؤ خدا کی بڑی ضیافت میں شریک ہونے کے لئے جمع ہو ——— خواہ آزاد خواہ غلام خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے" 19/ 11تا19

رسول کریم صلعم براق پر دکھلائے گئے۔ کہ آپکے سر پر بہت سے تاج ہیں۔ یعنی کئی صفات اسماء ہیں ایک ان میں ایسا ہے۔ کہ جس کو دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ یعنی خاتم النبیین کا لقب جو کسی اور نبی کو نہیں ملا۔ اسکو ایک خلعت سے سرفراز کیا گیا ہے۔ جس خلعت کا نام کلام خدا ہے۔ یعنی قرآن شریف جیسی کلام اللہ اسکی پوشاک ہے اور زینت ہے۔ اسکا نام بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے یعنی نبیوں کا سرتاج۔ سیّد ولد آدم فخر رُسل۔ کیونکہ اسکی رسالت اور نبوّت تمام لوگوں کے لئے ہے۔ تبھی فرشتے نے آسمانی پرندوں کو بڑی ضیافت میں شریک ہونے کے لئے کہا۔ یعنی آسمانی فرشتوں کو بھی تبلیغ اسلام میں مدد کرنے کا حکم ہوا۔ یاد رہے کہ عالم خواب بلکہ ظاہر میں بھی کھانے سے مراد تبلیغ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ محاورہ خود انجیل میں استعمال ہوا جبکہ پطرس کو رؤیا ہوئی۔ اعمال 11/ 5تا8 کہ "میں یافا شہر میں دعا مانگ رہا تھا۔ اور بیخودی کی حالت میں ایک رؤیا دیکھی کہ کوئی چیز بڑی چادر کی طرح کونوں سے لٹکتی ہوئی آسمان سے اتر کر مجھ تک آئی اُسپر جب میں نے غور سے نظر کی تو زمین کے چوپائے اور جنگلی جانور اور کیڑے مکوڑے اور ہوا کے پرندے دیکھے اور یہ آواز بھی سُنی کہ اے پطرس اُٹھ ذبح کر اور کھا"

چنانچہ اس خواب کی بنا پر پطرس نے غیر قوموں کو تبلیغ کرنی شروع کی۔ اور خود ہی کھانے سے مراد تبلیغ و اشاعت مذہب قرار دیا۔ عربی زبان میں ایسے محاورات بکثرت ہیں۔ اس باب سے اگلے باب میں۔

پھر ایک اور نشانی بتائی گئی ہے کہ اسوقت شیطان کو ایک ہزار سال کے لئے بند کیا جاویگا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسی پیشگوئیاں فرمائیں۔ اور قرآن کریم نے بھی۔ کہ یدبّر الامر من السماء الی الارض ثمّ یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ ممّا تعدّون۔ کہ اے لوگو! اب اسوقت خدا تعالیٰ اپنے امر یعنی روحانی فیض کو آسمان سے نازل کر رہا ہے پھر یہ آسمانی فیض ایک ہزار سال تک قائم رہیگا اور لوگوں کے دلوں سے آہستہ آہستہ

ہوگا۔ جب پورا ایمان اوپر چلا گیا۔ تو لوکان الایمان معلّقًا بالثریا لنالہ رجل من
ھٰؤلاء۔ اور الآیات بعد المائتین کی تصریحات پوری ہونگی اور پھر اس ایمان کو حضرت
محمد مصطفےٰ صلعم اپنی دوسری بعثت میں آسمان سے لاکر مخلوق خدا میں بروزی طور پر مسیح موعودؑ
کے رنگ میں ہوکر بانٹیں گے۔ یعنی شیطان کی حکومت ایک ہزار سال کے بعد کچھ عرصہ کیلئے
کھولی جاویگی۔ اور پھر فرشتوں اور شیطان کا مقابلہ آخری وقت میں ہوگا۔ اور قیامت ہوگی جیسا کہ
مکاشفات میں بھی تصریح کردی گئی ہے۔

فتلک عشرۃ کاملہ۔ میں امید کرتا ہوں کہ عیسائی صاحبان اپنی انجیل کی ان
تصریحات اور پیشگوئیوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور اس موعودؑ کو مان کر سچے دل سے مسیحؑ
کی آمد ثانی کا جلال دیکھیں مبارک ہیں وہ جو راستی کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ متی ۵/۶
اگلے نمبر میں انشاء اللہ تعالیٰ کتاب مقدس سے چند معیار بھی پیش خدمت کرونگا تا عیسائی
صاحبان کو اس موعود نبی کی صداقت پرکھنے میں مدد ملے۔ وما توفیقی الّا باللہ ٭

انگریزی ریویو کا ترجمہ

مسیحؑ کی آمد ثانی

یسوع مسیح نے فرمایا " اور جس حال میں کہ میں جاتا اور تمھارے لئے جگہ تیار کرتا
تو پھر آؤنگا (یوحنا باب ۱۴ آیت ۳) یسوع نے اپنے آپ کو " صداقت " قرار دیا ہے۔ اور اعمال ۱ و ۲ میں
لکھا ہے۔ کہ فرشتوں نے کہا۔ کہ وہ دوبارہ آئیگا۔ علاوہ بریں روح مقدس نے کہا۔ کہ " وہ آپ آسمانوں
سے نازل ہوگا " اور " دوبارہ ظاہر ہوگا " اور یہ بائیبل کی بنا پر مانا جاتا ہے۔ کہ تمام انبیائؑ اور پیغمبرؑ
نزول ثانی کے معتقد تھے۔

ریورنڈ۔ ای۔ ایبے ٹنڈل فرماتے ہیں۔ " وہ انسانی شکل میں واپس آئیگا۔ تاکہ اپنے کام کو جو
انسانوں کے ساتھ تعلّق رکھتا ہے۔ وہ مکمّل طور پر اور آخری بار پورا کرے " اور ریورنڈ۔ آئی۔
ایم۔ ہالڈیمن کہتے ہیں کہ یہ نہایت واضح اور مسلّم امر ہے۔ کہ بائیبل میں جسقدر بھی حیرت انگیز باتیں
ملتی ہیں۔ مثلاً پیدائش عالم۔ انسان کا تنزل۔ مسیح کی پیدائش۔ اسکی موت اور قبر سے زندہ اٹھنا۔
ان سب میں سے کوئی بھی ایسی نہیں۔ جسکا " نزول ثانی " کے ذکر کی طرح بار بار بیان ہو۔ اور جس پر اسقدر
زور دیا گیا ہو۔ لکھتے ہیں " نئے عہد نامے میں ہر بیس آیتوں کے بعد مسیحؑ کی آمد ثانی کے متعلق بیان

ملتا ہے۔ پھر مسٹر ہالڈین آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔ اگر مسیح کو دوبارہ نہیں آنا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ تمام عیسائیت کی بنیادیں نیچے سے کاٹ دی گئیں۔ اور بائیبل حد درجہ کی قابلِ تمسخر اور غیر معتبر چیز کہتے ہیں " آہ وہ دوبارہ نہ آئے!! یہ تو مکمل بربادی ہے۔ تباہی ہے۔ خزاں ہے۔ یا تو تمام انجیلیں نئی اور پرانی جھوٹ اور کھوٹ کی گہرائیوں میں نہایت ابتری سے تہ نشین ہو کر نیست و نابود ہو جائینگی۔ یا پھر ایک گرے ہوئے درخت کے خشک و شکستہ پتوں کی طرح ہونگی جنکو ہوا کے جھونکے اُڑا کر لیجاتے ہیں۔ اور ادھر اُدھر بکھیرتے پھرتے ہیں"

تمام عیسائی فرقے متفق ہو کر اس بات کو مانتے ہیں۔ کہ مسیح دوبارہ نازل ہوگا۔ اور یہ بات انکے ایمان کا جزو ہے۔ چنانچہ بعضوں کے خیالات کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

نیسین گروہ کہتا ہے۔ "مسیح دوبارہ شان و شوکت کے ساتھ آئیگا۔ تاکہ زندوں اور مردوں میں حکم ہو۔ اور اس کی بادشاہی کی کوئی انتہا نہیں۔ اور ڈچ سلسلہ میں یہ لکھا گیا ہے۔ کہ" ہمارا آقا یسوع مسیح آسمان سے جسمانی اور مرئی طور پر آئیگا"

ویسٹ منسٹر کنفیشن آف فیتھ (پریسبٹیرین۔ ۱۶۴۳) میں ہم یہ معلوم کرتے ہیں۔ کہ "مسیح کے متعلق ہر وقت ہم کو ہوشیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارا آقا کس گھڑی آجائے۔ پس ہم ہر وقت یہ کہنے کو تیار رہیں۔ کہ آ۔ ہمارے آقا۔ مسیح۔ جلدی آ"

۱۵۵۳ء میں آرک بشپ کریمر نے جو اینگلیکن سوال و جواب کا سلسلہ شائع کیا۔ اسمیں لکھا ہے:۔ "اکیلا مسیح ہی اپنے مقدس علماء کے ساتھ حکومت کریگا۔ اور زندہ رہیگا۔ اور دنیا میں صاحبِ سلطنت ہوگا" اور انگلش بپٹسٹ اپنے ایمانیات کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔ "ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ کہ مسیح اپنی آمد ثانی کے موقع پر نہ صرف مردے زندہ کریگا۔ حَکَم ہوگا۔ اور دنیا کو چنگا کریگا۔ بلکہ اپنی حکومت اپنے ہاتھ میں لیگا۔ اور وہ حکومت عالمگیر ہوگی"

ان حوالجات کے ساتھ ایک اور عیسائی کے الفاظ بھی پیش کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے "کیا بلحاظ پیشگوئی کے اور کیا بلحاظ تمثیلات اور تعلیمات کے ہمیں اُس نے یہ بتایا ہے۔ کہ میں دوبارہ آنیوالا ہوں اور ہم کو اس آمد کے لئے منتظر۔ ہوشیار اور تیار رہنا چاہیئے کیا ہمیں معلوم نہیں۔ کہ نئے عہد نامہ میں تین سو سے اوپر آیات اسکی آمد ثانی کے متعلق ہیں"

پس کتنی ہی یہ قابلِ رحم بات ہے۔ کہ اس مضمون کی طرف کماحقہ توجہ نہیں دی جاتی۔ چنانچہ ریورنڈ ایف۔ جے۔ ہارس فیلڈ۔ ڈی ڈی۔ بجا طور پر افسوس کرتے ہیں۔ کہ صرف

اس بات کا اعلان کہ ہمارا پیارا بادشاہ اپنی سلطنت کے کسی شہر کا عنقریب دورہ فرمائیگا۔ اس شہر کے تمام لوگوں میں بلا لحاظ قوم و نسل۔ کمال جوش اور سرگرمی پیدا کر دیتا ہے۔ جوان۔ بوڑھے۔ بچّے۔ عورتیں غرضکہ ہر متنفس اپنی وفاداری کے اظہار اور پُر جوش خوش آمدید کے لئے متفق ہو کر تیار ہو جاتے ہیں۔ تشریف آوری سے بہت وقت پہلے ہی انتظاری کمال بے تابی کی حالت پر پُہنچ جاتی ہے۔ سجاوٹوں پر دل کھول کر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور تمام لوگ کیا امیر اور کیا غریب اپنی اس عزّت افزائی پر خوشی کے اظہار کے لئے اپنی طاقت سے بڑھ چڑھ کر انتظام کرتے ہیں۔ جو بادشاہ کے وہاں جانے سے ہوتی۔ یہ امر اس بات کا نمایاں ثبوت ہے۔ کہ ہمارے اور تخت کے درمیان ہمارا رشتۂ محبّت کس قدر مضبوط ہے۔ اور بیّن دلیل ہے۔ کہ ہر بڑے چھوٹے کے دل میں اپنے بادشاہ کے لئے کس قسم کے ادب و احترام کے جذبات ہیں۔

"لیکن جب ایک زمینی بادشاہ کی آمد پر ان شوق و محبّت کے جذبات کا اظہار لابدی ہے۔ تو یہ کیسی حیرت ناک بات ہے۔ کہ اُس بادشاہوں کے باشاہ کی آمد کا اعلان دنیاوی بادشاہ کے مقابلہ میں عشر عشیر بھی جوش پیدا نہیں کرتا۔ اور اس معاملہ کا ذکر مذہبی حلقوں کے اندر بھی نہیں آتا۔ اور کثرت سے ایسے لوگ ہیں کہ جو یا تو واقع میں اس کو اپنے مذاق کا نشانہ بناتے ہیں۔ یا اس سے بالکل ہی اعراض کرتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ یہ موضوع خود اُسکے (مسیح کے) اپنے پیرؤوں کی نظروں میں قابلِ وقعت ہو۔ ہم اسکو جائے تمسخر و ذلیل پاتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پُہنچی ہے کہ بہتیرے ایسے ملتے ہیں جو اسکی (مسیح کی) غلامی کا دعویٰ کرتے رہیں۔ مگر اس مضمون سے اعراض کرتے ہیں۔ اور انکے لئے اس خیال سے زیادہ اور کوئی بات خوفناک نہیں کہ مسیح دوبارہ آئیگا تاکہ موجودہ حالات کا خاتمہ کر دے۔ جس میں راستی اور نیکی سکونت پذیر ہو۔ یقیناً ایسے مسئلے سے لاپروائی جو ہر ایک کے لئے قابلِ صد جوش و امید اور مسلسل انتظاری و تیاری کا باعث ہونی چاہیئے۔ ہماری حالت کا اظہار کرتی ہے کہ ہمیں اپنے آپ کا مکمل امتحان کرنا چاہیئے۔

ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ بعض لوگوں نے جو انتظار کر کر کے تھک گئے ہیں۔ اپنی نا امیدی میں یہ کوشش کی ہے۔ کہ اس پیشگوئی کو سرے سے ہی اُڑا دیا جائے۔ اور انہوں نے اپنے آپکو اس پیشگوئی کے معنی تبدیل کر کے تسلّی دیدی ہے۔ مگر ریورنڈ۔ ڈبلیو۔ ای۔ بلیک سٹون بہت اچھی طرح اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔ "آج کل ایک اسرائیلوں کا گروہ نمودار ہوا ہے۔ جو اپنے آپ کو "اصلاح یافتہ" یا "آزاد خیال" سمجھتا ہے۔ انہوں نے پُرانے عہدنامے کی پیشگوئیوں کو بھی رُوحانی طور پر

پورا ہونے والی قرار دیا ہے۔ اور اس لئے کسی جسمانی مسیح کی آمد کا خیال ترک کر دیا ہے۔ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ جس میں سے ایک نے مجھے کہا "انیسویں صدی ہی مسیح ہے" اور اس بگڑا اصول کی اب وہ اپنے بڑے بڑے حلقوں میں تلقین کرتے ہیں۔ اس زمانہ کا جس میں ہم رہتے ہیں یہ حیرت انگیز نشان ہے۔ کہ بائیبل کو روحانیت میں تبدیل کرنے میں یہودی بھی غیر یہودیوں سے مل جائینگے۔ "جب مسیح آئیگا۔ کیا وہ زمین کے اوپر کہیں بھی ایمان کو پائیگا۔ لوقا باب ۱۸ آیت ۸ مگر کیا ابن آدم آکے زمین پر ایمان پائیگا۔ اور بائیبل کی صاف صاف عبارتوں کے الفاظ کے ظاہری مفہوم کو ان لوگوں کا روحانیت میں تبدیل کرنے کا عمل آہستہ آہستہ عیسائی اصولوں کی بنیادیں کھوکھلی کر دیگا۔ اور ہمیں مکمل ضلالت اور گمراہی میں بہا دیگا۔ ایک بچہ نے ایک دفعہ کہا تھا۔ "اگر یسوع جو کہتا تھا۔ اسکو پورا کرنے کا دل میں ارادہ نہ رکھتا تھا۔ تو کیوں وہ جو ارادہ رکھتا تھا۔ وہی نہ کہدیتا تھا" اگر وہ ایک بار آیا اور مصیبت زدہ مسیح کی صورت میں اس نے لفظی طور پر پیشگوئی کو پورا کر دیا۔ تو کیوں نہ ویسے ہی وہ آئیگا۔ اور شان و شوکت والے مسیح کی صورت میں آکر پیشگوئیوں کو پورا کریگا"۔

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یسوع کے آنے سے مراد "موت" ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ "موت" کو "دشمن" کہا جاتا ہے۔ "سب سے آخری دشمن جو دور کیا جائیگا۔ موت ہوگی"۔

مزید برآں۔ اگر ہم ان آیات میں جہاں اسکی آمد ثانی کا ذکر ہے۔ "موت" کا لفظ رکھیں۔ تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ وہاں یہ لفظ درست نہیں اترتا۔

اخیر میں یہ ذکر کر دینا باعث دلچسپی ہوگا۔ کہ مسٹر جے۔ منرو کہتا ہے۔ کہ وہ لفظ جو آمد ثانی کے لئے اکثر استعمال ہوتا ہے 'Parousia' ہے۔ اور ریورنڈ۔ ڈبلیو۔ ای۔ بلیک سٹون کا عقیدہ ہے۔ کہ "وہ جو یسوع کی آمد جسمانی کا انکاری ہے۔ دھوکہ باز ہے۔ اور غیر عیسائی ہے"

A. R. DARD

اِسلام کی خوبیوں کی فتح

'دی برادرہڈ آف ورلڈ' میں آر۔ گارڈن کیننگ 'اسلام' پر اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں:۔

"مسلمانوں کے مذہب کے متعلق یورپ میں عیسائی نسلوں کے خیالات موجودہ اب رو بہ تبدیلی و اصلاح ہیں۔ اور ترک کئے جا رہے ہیں۔

لیکن چونکہ اسلام کے اردگرد غلط فہمی کی فضاء کا دائرہ اب غائب ہو رہا ہے۔ اور اس کا باعث یقیناً ایک ایسی آزاد روح کا وجود ہے۔ جو عیسائی دنیا میں پھونکی جا رہی ہے۔ ہم اسلام کی حقیقی

خوبیوں کو عزیز خیال کرنے لگے ہیں۔ اور اپنے آپ کو مسلمانوں کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھنے کے لئے آمادہ پاتے ہیں۔

اسلام پر سب سے بڑی نقطہ چینی جو آج کل کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے "ٹرکی کو دیکھو" یا "اسلامی ممالک کی موجودہ حالت ملاحظہ کرو" اور ان سے گویا اسلام کا اندازہ لگاؤ۔

"یہ عموماً سب سے کاری ضرب اور لاجواب معیار خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن پھر اس سوال کا کیا جواب ہوگا" "کیا وجہ ہے کہ ابی سینیا جو کہ عیسائی ممالک میں سب سے قدیم ہونیکی حیثیت رکھتا ہے۔ آج سب سے پیچھے ہے؟"

محمدؐ کا مذہب نہایت وسیع ہے..... ...۔ آزاد ہے۔ اور اس قدر کشادہ ہے۔ کہ تمام اتفاقات میں جو انسان کی زندگی میں درپیش ہونے ممکن ہو سکتے ہیں۔ اسکے اندر مناسب ہدایات پائی جاتی ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ اپنی طاقت کو اور اپنی رہنمائی کے قوانین کو قائم رکھتا ہے۔ اسلامی مذہب اپنی تمام پاکیزگی اور سادگی کے ساتھ قرآن کے اندر آجاتا ہے....... مجھے تعجب ہے۔ کہ کیا مذہب کی تبدیلی ضروری ہے۔ کیا ایک نیک عیسائی نیک مسلمان نہیں بن سکتا۔ یا ایک اچھا مسلمان اچھا عیسائی نہیں ہو سکتا۔ محمدؐ نے یسوعؑ کو خدا کی روح کے نام سے یاد کیا۔ آپ نے یسوعؑ کے پیغام کو پہنچایا۔ اور کیا یہ عیسائیوں کے لئے غیر ممکن ہے۔ کہ محمدؐ کے پیغام کو تسلیم کرلیں۔

"محمدؐ نے فرمایا ہے" کیا تم خدا سے محبت کرتے ہو۔ اگر یہ بات ہے۔ تو پہلے اپنے بنی نوع سے محبت کرو۔"

بہائیوں کا خدا ڈی۔ ایم۔ پینٹن۔ بی۔ اے۔ اپنی تصنیف "نزول ثانی کی شیطانی جعلسازیاں" میں رقمطراز ہیں:۔

"دی سٹار آف دی ویسٹ، کی ۲۳ر نومبر ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں بہائی مذہب کو یوں بیان کیا گیا ہے:۔ "جانو۔ اولوگو۔ اُس دن جبکہ قادر خدا نے انسانی شکل میں جسکو بہاء اللہ کہتے ہیں اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ بغداد میں الرضوان کے باغ میں بہ تاریخ ۲۱ر اپریل ۱۸۶۳ء) اور اس عارضی اور غیر متعین دنیا کے باشندوں کو۔ پہاڑیوں اور پہاڑیوں کی چوٹیوں کو۔ درختوں۔ گھاس جھاڑیوں پھولوں۔ سرکنڈوں۔ پتھروں۔ ریگستانوں۔ سمندروں۔ لہروں۔ اور تمام ذرات کو جو زمین میں ہیں۔ اور تمام ایتھروں کو جو ہوا کو لئے ہوئے ہیں۔ یوں کہا "میں خدا ہوں۔ اور بغیر میرے اور کوئی خدا نہیں" پرانا آسمان اور پرانی زمین نابود ہو چکے۔ اور اس لمحہ سے تمام اشیاء

نئی ہو گئیں۔ اور پہلے جو کچھ ہست تھا۔ نیست ہو گیا"۔

"اس دن ایک نئی پیدائش ایک نئے انسان ایک نئے آسمان اور ایک جدید زمین کے دور کا آغاز ہوا۔ اور وہ مخفی کلام وہ راز جو ابتدا میں آدمؑ نے بیان کیا۔ پھر انبیاء نے۔ پیغمبروں نے مسیحؑ نے اور آخرکار محمدؐ نے۔ اور پھر باب نے۔ وہ مخفی کلام ایک انسان میں منتقل ہو گیا۔ اور لوگوں میں بود و باش اختیار کرنے لگا۔ اسکی طاقت اور جلال آسمان سے زمین تک چمک اٹھا۔ جبکہ بہاء اللہ کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے کہا کہ میں خدا ہوں۔ اور بجز میرے اور کوئی خدا نہیں وہ خدا ہوں جو قدیمی ہے غیر فانی ہے۔ تمام مخلوق کا خالق ہے۔ قادر ہے قوی ہے"۔

کفر گوئی کے قوانین کی تنسیخ کے متعلق مساعی

بائیبل کی رو سے یہ فرض ہے۔ کہ مذہبی تفاوت کی بنا پر باپ خود اپنی بیٹی۔ بیوی۔ بیٹے یا دوست کو قتل کر دے۔ یہ لکھا گیا ہے کہ اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا۔ یا تیرا ہی بیٹا یا بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے تیری جان کے برابر عزیز ہو تجھے پوشیدہ میں پھسلائے اور کہے کہ آؤ غیر معبودوں کی بندگی کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادے واقف نہیں تھے یعنی ان لوگوں کے معبودوں میں سے جو تمہارے گرداگرد تمہارے نزدیک۔ یا تم سے دور زمین کے اس سرے سے اس سرے تک رہتے ہیں تو تو اس سے موافق نہ ہونا اور نہ اسکی بات سننا نہ تو اسپر رحم کی نگاہ رکھنا تو رعایت نہ کرنا تو اس سے پوشیدہ نہ رکھنا بلکہ تو ضرور اسکو قتل کرنا اسکے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے اور بعد اسکے سب قوم کے ہاتھ اور تو اسے سنگسار کرنا تاکہ وہ مر جائے۔ (استثناء باب ۱۳ آیت ۶ تا ۱۰)

اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکیگا جان سے مارا جائیگا ساری جماعت اسے سنگسار کریگی (خواہ وہ مسافر ہو خواہ دیسی ہو۔ جب اس نے اس نام پر کفر کہا وہ جان سے ضرور مارا جائیگا) احبار باب ۲۴ آیت ۱۶)

چنانچہ تمام عیسائی ممالک کی تاریخ بائیبل کی ان تعلیمات کے نتیجہ میں سیاہ ہو چکی ہے۔ کروسیڈ اور انکوئیشن کے واقعات ہیبتناک کو کون نہیں جانتا جبکہ مرتدین کو زندہ در آتش کر دینا قید کر دینا۔ اور قتل کر دینا بالکل معمولی واقعات ہوا کرتے تھے۔

سنہ ۱۶۷۶ء میں انگلستان میں دی لارڈ چیف جسٹس۔ سر میتھیو ہیل۔ نے یہ احکام جاری کیے تھے۔ کہ چونکہ عیسائیت انگلستان کے قوانین کا جزو لاینفک ہے۔ اسلئے مذہب عیسائیت کی ہتک کرنا خود قانون کے توڑنے کے مترادف ہے۔ مگر عیسائی چرچ کے مختلف فرقوں میں منقسم ہو جانے اور آزاد خیالی کی ترقی نے یہ غیر ممکن کر دیا کہ اس قانون کی پوری پوری سختی کے ساتھ پابندی ہو۔

اور (بہت حد تک بائیبل کی تعلیم کے خلاف) آہستہ آہستہ اصول بنایا گیا۔ کہ کفر گوئی کے ارتکاب پر جُرم کے الزام لگانے سے پیشتر مرتکب کے طرزِ کلام اور خود کلام کو مدِّ نظر رکھ لینا چاہیئے۔ زاں بعد اس بات کو پیش کیا جانے لگا۔ کہ کفر گوئی صرف ایسی بات کا نام نہیں۔ جو بعض مذہبی لوگوں کو قابلِ اعتراض معلوم ہو۔ بلکہ وہ اس قسم کا کلام ہو۔ جو نقضِ امن کا باعث ہو۔ یا اسکے متعلق ایسا گمان ہو۔ اسقدر بس نہیں۔ اب لنڈن میں ایک سوسائٹی قائم ہوئی ہے۔ جو کہ اس قانون کی موجودہ تنگی کو بھی رفع کرنا چاہتی ہے۔ اس کا نام "قوانین کفر گوئی کی تنسیخ کی سوسائٹی" ہے۔ اور بہت سے پارلیمنٹ کے ممبر اسکے معاون ہیں۔ الغرض حالات زمانہ بائیبل کی تعلیم پر عملدرآمد کی اجازت نہیں دیتے اور خود اسکے پیروؤں کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اسکی تعلیمات کی ترمیم کریں ؂

عبادتِ اسلام
بمقابلہ دیگر مذاہب

(نمبر ۳)

حرکات اب ہم نے دیکھنا ہے کہ اس قسم کی عبادت میں کوئی حرکات بھی ہونی چاہیئیں یا نہیں اگر ہونی چاہیئیں تو کونسی حرکات ہوں تاکہ کامل تذلل اور انکسار بندہ کا خدا کے حضور ظاہر ہو جاوے۔

یہ ظاہر ہے کہ جسم کا روح کے ساتھ ایک بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ اور روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہے۔ اگر جسم پر کوئی چوٹ لگے تو دُکھ روح کو محسوس ہوتا ہے۔ اگر کسی کے سر پر زور سے مکّا مارا جائے تو اسکے ہوش گم ہو جاتے ہیں۔ ضربِ شدید سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔ اندھے کی روح ان کیفیات کے لُطف سے واقف ہی نہیں ہو سکتی جو کہ ایک آنکھوں والا انسان محسوس کرتا ہے۔ ایک بہرے کی روح خوش الحانی کے لُطف سے بالکل بے بہرہ رہتی ہے اس طرح اگر ہماری روح غمگین ہو تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ اور اگر خوش ہو تو چہرہ پر رونق آجاتی ہے۔ اگر غصہ ہو تو تیور چڑھ جاتے ہیں دانت پیسنے لگ جاتے ہیں۔ آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔ اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے جسکو انگریزی میں کہتے ہیں۔ حتّٰی کہ بعض فلاسفر تو یہاں تک گئے ہیں کہ جسمانی حرکات ہی اصل میں باطنی کیفیات ہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں۔ زید غمگین ہے اسلیئے روتا ہے مگر وہ کہینگے نہیں وہ روتا ہے اسلیئے غمگین ہے اور یہ بھی ٹھیک کہ اگر وہ رونا چھوڑ دے

تو وہ غمگین نہ ہوگا - اور یہیں سے غم اور غصہ وغیرہ کا علاج انہوں نے تجویز کیا ہے کہ ان حرکات کو جو انکی علامات ہیں اگر انسان ضبط کرے تو وہ احساسات دُور ہو جاتے ہیں۔

غرض جسمانی حرکات کا انسان کی روح پر ایک نہایت ہی گہرا اثر ہے بلکہ روح کی کیفیات کی علامات یہ ہی ظاہری حرکات ہیں - ان کا اظہار ہی حرکات کے ذریعہ سے ہوتا ہے اگر یہ حرکات نہ ہوں تو وہ کیفیت ہی موجود نہیں رہتی - تو معلوم ہوا کہ اگر روح میں کوئی کیفیات ہوں تو انکا طبعی لازمی نتیجہ جسمانی حرکات ہونی چاہئیں - اور اگر وہ حرکات کیجائیں تو ضرور ہے کہ انسان کی روح بھی ان کیفیات کو محسوس کرے جن کی وہ حرکات علامت ہیں۔

غرض عبادت میں جسمانی حرکات دُو وجہ سے ضروری ہیں - اوّل تو اس لئے کہ اگر انسان کی روح کامل تذلل اور انکسار کو محسوس کرے تو ضروری ہے کہ جسم کے ذریعہ بھی انکا اظہار ہو - یہ ہو نہیں سکتا کہ انسان کے دل میں کسی کی عظمت ہو اور اسکا اظہار نہ کیا جائے - اگر کوئی بزرگ ہمارے سامنے ہو تو ہمارے حرکات کا رنگ اور انداز ہی اور ہوتا ہے - اور اگر کوئی دشمن ہو تو مختلف رنگ ہوتا ہے - پس اپنے محسن حقیقی کی عظمت کی احساس اگر دل میں موجزن ہو یہ نہیں ہو سکتا کہ حرکات کے ذریعہ اس کا اظہار نہ کیا جائے۔

دوسری صورت ان ظاہری حرکات کی یہ ہے کہ روح میں باطنی کیفیات پیدا کرنیکا وہ ایک ذریعہ ہیں - جب انسان کسی کے سامنے جھکے گا تو ضرور ہے کہ اس کا دل اسکی عظمت کو محسوس کرے - جس جس قسم کی ہم حرکات کرینگے اسی قسم کے احساسات دل میں پیدا ہونگے - پس خدا کے حضور خشوع اور خضوع اور تذلل اور انکسار پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ظاہری حرکات میں بھی خشوع و انکسار کریں۔

پھر ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عبادت انسان کے جسم کا بھی ایسا ہی فرض ہے جیسے روح کا - اگر روح آستانہ الوہیت پر ناصیہ فرسائی کریگی تو ضرور ہے کہ جسم بھی اپنی ناک اسکے دروازے پر رگڑے ورنہ ہماری عبادت بالکل ادھوری رہ جائیگی - یہ فیصلہ ہو جانے کے بعد کہ عبادت میں جسمانی حرکات کا ہونا ضروری ہے ہم کو دیکھنا ہے کہ وہ حرکات کیا ہوں - یہ ظاہر ہے کہ وہ حرکات باطنی کیفیات کے مناسب حال ہونی چاہئیں - کیونکہ عبادت کامل تذلل اور انکسار کا نام ہے اسلئے وہ حرکات کامل تذلل کے مناسب حال ہونی چاہئیں - اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کی حرکات جو ادب - تعظیم اور طلب کی علامات ہیں مختلف اوقات اور مختلف ممالک میں تفصیلات کو نکالکر عموماً یہ ہیں:-

(۱) دست بستہ کھڑے ہونا - سموئیل کی پہلی کتاب پہلا باب آیت ۲۶ -

(۲) جھکنا۔ سلاطین اوّل باب ۸ آیت ۵۴۔

(۳) دو زانو بیٹھنا۔ کرانیکل باب ۶ آیت ۱۶۔

(۴) سر زمین پر رکھ دینا۔ سلاطین اوّل باب ۱۸ آیت ۴۲۔

چنانچہ بائیبل سے جو ایک طرز پر تاریخی کتاب ہے ان چاروں حرکات کا مختلف اوقات میں اور حالات میں عبادت کے موقعہ پر کیا جانا ثابت ہے۔

بادشاہوں کے درباروں میں بھی جو الہی درباروں کے مثل اور نمونہ کے طور پر ہیں یہی حرکات پائی جاتی ہیں۔ دست بستہ کھڑے ہونا۔ جھکنا۔ دو زانو بیٹھنا۔ اور سر کو پاؤں پر یا زمین پر رکھ دینا۔ اسکے سوا جو حرکات ہیں وہ یا تو متکبرانہ اور غافلانہ ہیں جیسے گردن اکڑا اکڑا کر اینٹھتے ہوئے چلنا۔ یا پاگلانہ اور پریشان ہیں جیسے بے تحاشا بھاگنا۔ یا ذلیل اور انسانی وقار کے خلاف ہیں جیسے زمین پر لیٹ جانا اور خاک میں لوٹنا اور درختوں پر اُلٹے لٹک جانا۔ کوئی شخص اپنے ہوش حواس کو قائم رکھکر ادب اور تعظیم کے لئے بادشاہوں کے دربار میں اس قسم کی حرکات کا مرتکب نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی ہُوا ہے۔ اسی طرح ان حرکات میں جو ادب اور تعظیم کا اظہار ہیں اگر انسان مثلاً کھڑا تو ہو لیکن گردن اور سر کو اکڑائے رکھے اور نظر اِدھر اُدھر لگاتا رہے یا یونہی ہاتھ اور پاؤں ہلاتا رہے یا مثلاً بیٹھے تو سہی مگر سر اوپر نیچے اِدھر اُدھر کرتا رہے یا آنکھیں مارنے لگ جاوے۔ یا چہرہ کو بگاڑ بگاڑ کر طرح طرح کی مضحک اور عجیب شکلیں بناتا رہے تو کوئی شخص نہیں کرسکتا کہ یہ حرکات واقعہ میں ادب اور تعظیم کی علامت ہیں بلکہ یہی کہیگا کہ گستاخانہ۔ پاگلانہ یا متکبرانہ ہیں غرض ادب طلب اور تعظیم کی جو حرکات ہم نے بیان کی ہیں وہی درست ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض ممالک میں ان چاروں میں سے کسی خاص پر زیادہ زور دیا جاتا ہو۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں عموماً یہی یا اسی قسم کی حرکات ادب اور تعظیم اور طلب کی علامات ثابت ہوتی ہیں۔ اور جس مذہب میں یہ ساری ادب کی حرکات جمع نہیں وہ بھی کامل نہیں۔ اور جس مذہب میں اس وقت کے لئے ان حرکات کو مقرر نہیں کیا اس نے انسان کی توجہ کو قائم رکھنے کی کوشش نہیں کی اور اسے دلچسپ نہیں بنایا۔

پس جو مذہب جسمانی حرکات کا قائل ہی نہیں اور انکو ایک بے فائدہ اُٹھک بیٹھک خیال کرکے اس پر ہنسی کرتا ہے اس نے تو انسانی فطرت کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور اُلٹا اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے اسلئے وہ مذہب تو بالکل ہی ناقص ہے۔ جیسے برھم دھرم والے کہ انکے ہاں کوئی بھی حرکات

مقرر نہیں۔ باقی رہے یہود۔ عیسائی اور آریہ ان میں کچھ حرکات ہیں یعنی وہ اس اصل کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے یا تو ناقص ہیں یا نقصان رسان اور مضر ہیں۔ سجدہ جو کامل انکسار کی سب سے بڑی علامت ہے اور جس سے خشوع پیدا ہوتا ہے وہ ان میں سے کسی میں بھی نہیں پایا جاتا۔ البتہ رکوع یہود اور بعض عیسائیوں کے ہاں موجود ہے۔ اور آریاؤں کے ہاں تو نہ سجدہ۔ نہ رکوع نہ قیام حالانکہ جیسے ابھی میں بیان کر چکا ہوں یہ حرکات ادب اور تعظیم اور طلب کے لئے نہایت ضروری اور طبعی ہیں اسکے برعکس جو حرکات آریاؤں کے ہاں پائی جاتی ہیں وہ گستاخانہ اور مضر ہیں۔ مثلاً چوکڑی مار کر بیٹھنا کون نہیں جانتا کہ یہ انکسار کی علامت نہیں بلکہ بڑائی کی علامت ہے۔ پھر گردن اُٹھا کر بیٹھنا کون نہیں جانتا کہ سرکشوں کی علامت ہے۔ گردن کش تو کہتے ہی ایک متکبّر آدمی کو ہیں۔ پرانایام تو خود ان کے نزدیک بھی ایک مضر چیز ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اگر کھانے کے بعد کیا جائے تو قے آجاتی ہے اور صحت بگڑ جاتی ہے۔ یا اگر زور سے کیا جائے تو خون کی نالی پھٹ جاتی ہے اور انسان پاگل ہو جاتا ہے۔ سانس لینا تو ایک طبعی چیز ہے جسکے بغیر انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا اسکا روکنا تو کسی طرح بھی انسانی فطرت کے مطابق نہیں۔ ہاں کسی خاص صورت میں لمبے سانس لینا شائد کسی بیمار کے لئے مفید ہو۔ مگر پرانایام تو حبس دم ہی کو کہتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ جتنا زیادہ کیا جائے اتنا ہی باہر کی ہَوا اندر نہ جائے یا کم سے کم دیر کے بعد جائے اور اندر کی ہَوا اندر ہی رہے اور خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور سائنس کی تحقیقات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آکسیجن جو باہر کی ہَوا ہے اس کا اندر جانا نہایت ضروری ہے کیونکہ اندر بیماریوں کے جرم پیدا ہو جاتے ہیں جنکو باہر کی ہَوا جا کر مارتی ہے۔ پس یہ کہنا کہ جب اکٹھا دم لیا جائیگا تو جرم مر جائینگے بالکل فضول ہے۔ جرموں کو پیدا کر کے پھر انکو مارنے کا کیا فائدہ ہے اس سے تو نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے۔ کیوں نہ انکو ساتھ کا ساتھ ہی مارا جاوے اور انکا پیدا ہونا ہی مشکل کر دیا جائے۔ بہرحال علاوہ جسمانی صحت کے لئے مضر ہونیکے یہ کسی باطنی کیفیت کی علامت بھی نہیں۔ ہاں متکبّرانہ ضرور معلوم ہوتی ہے۔ .... نہ یہ کسی باطنی کیفیت کے لئے محرک کے طور پر ہے۔ البتہ کہا جاتا ہے کہ توجہ لگانے کے لئے مفید ہے۔

بے شک توجہ کو ضرور یہ قابو کر لیتا ہے اور دوسری چیزوں سے پھیر لیتا ہے۔ مگر توجہ کا صرف دوسری چیزوں سے پھیر لینا ہی انسان کے لئے کافی نہیں۔ توجہ تو اگر انسان کی کسی جگہ جسم میں درد ہو تو بھی باقی چیزوں سے پھرتی ہے پرانایام بھی اصل میں ایک دکھ ہے جسکی وجہ سے توجہ

دوسری طرف نہیں رہتی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ اس سے گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ جو دم گھٹنے کا لازمی نتیجہ ہے۔ غرض پرانا یام کا کوئی بھی فائدہ نہیں صرف نقصان ہی نقصان ہے ہاں خاص صورتوں میں ممکن ہے کہ کوئی نقصان رسان چیز کسی کو فائدہ دے سکے بعض صوفی اس قسم کے مجاہدوں کو کر لیتے ہیں مگر ایک ایسے مذہب میں جو تمام دنیا کے لئے ہو اور ایک ایسے طریق عبادت میں جو تمام انسانوں کے لئے فرض ہو اسکا رکھا جانا سخت ہی نادانی اور جہالت ہے۔

کہتے ہیں کہ پرانا یام سے عقل تیز ہو جاتی ہے اور وید تھوڑے عرصہ میں نوک بر زبان کئے جا سکتے ہیں لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وید آجتک کسی کو نوک بر زبان نہیں ہوئے۔ اگر کسی نے کئے ہیں تو وہ اول تو موجود نہیں اگر ہو بھی تو وہ شاذ و نادر کے طور پر ہوگا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو لوگ پرانا یام کرتے نہیں یا کرتے تو ہیں مگر موعودہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر لوگ کرتے نہیں تو کم از کم اتنا تو ضرور پتہ لگ گیا کہ یہ آسان کام نہیں اور ایسی چیز نہیں کہ جس کو ہر ایک انسان ہر حالت میں کر سکے۔ پس اس کا عبادت میں سب پر فرض کیا جانا کسی طرح بھی درست نہیں کہلا سکتا ہاں مضر ضرور ہے۔

اب میں اسلامی طریق عبادت کی خصوصیات کا ذکر کرتا ہوں تا کہ اس کی فضیلت اور زیادہ ثابت ہو ؛ (باقی دارد)

اطلاع ضروری

تشحیذ الاذہان کے اور الفضل و ریویو آف ریلیجنز اردو کے گذشتہ و حال کے مندرجہ مضامین کو تجارتی اغراض سے شائع کرنیکی کسی صاحب کو اجازت نہیں یعنی کسی صاحب کو انہیں قیمتاً فروخت کرنیکے لئے چھاپنے کی اجازت نہیں جبتک کہ محکمہ متعلقہ سے باضابطہ اجازت حاصل نہ کر لیں ورنہ حرجانہ کے ذمہ وار ہونگے۔ فتح محمد سیال ناظر دعوۃ و تبلیغ

عالمگیر مذہب!

ویدک دھرم، عیسائیت یا اسلام

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ قلبی یگانگت، حقیقی اتفاق، نہ ٹوٹنے والا رشتۂ وحدت بجز اتحاد مذہب کے ناممکن ہے۔ دنیاوی جاہ و حشمت، عزت و آبرو، خودداری و خود غرضی وہ مضبوط زنجیریں ہیں۔ کہ بڑے بڑے مدبر و فیلسوف ان میں جکڑے جانے کے باعث دنیا میں صلح عمومی قائم کرانے کی بجائے انشقاق و اختلاف کا بیج بو گئے۔ وہ قربانی کرنے سے ہچکچائے کیونکہ انکا ذاتی فائدہ اس میں نہ تھا۔ جس کا نتیجہ افتراق اور خانہ جنگی ہوا۔ آج تمام دنیا اتحاد کے لئے کوشاں، اتفاق کلی کے واسطے پریشان ہے۔ اور چونکہ بجز اتحاد مذہبی کے اس کے لئے کوئی ذریعہ نہیں۔ مذہب ہی ہے جو صدیوں کے بغض و تنافر کو محبت کے گہرے جذبات میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس لئے محققین عالم کسی "عالمگیر مذہب" کی تلاش میں ہیں۔ گو وید ایک پرانی اور ابتدائی کتاب ہے اور بدقسمتی سے ہمارے ہندو اور آریہ دوستوں کے خیال میں "اس کا صحیح ترجمہ" آجتک نہیں ہو سکا۔ اور شاید ہو بھی نہ سکے۔ لیکن بعض روشن خیال آریوں کو دعویٰ ہے۔ کہ وید عالمگیر ایشوری کتاب اور ویدک دھرم عالمگیر مذہب ہے۔ عیسائی اصحاب بھی عیسائیت کے عالمگیر مذہب ہونیکے مدعی بن بیٹھے ہیں۔ اہل اسلام کے نزدیک اسلام ہی عالمگیر مذہب ہے۔ ہاں واضح رہے۔ کہ اول الذکر ہر دو مذہب اپنے آپکو عالمگیر کہتے ہوئے دوسرے مذاہب کو بالکل غلط، انسانی اختراع اور انکی کتب کو افترا پردازی کا مجموعہ قرار دیتے ہیں مگر اسلام اپنے آپ کو عالمگیر کہتے ہوئے بھی ان ہر دو دیرینہ مذاہب کی ابتدائی حالت کی صداقت کا اقراری ہے۔ وہ انکو مختص القوم اور مختص الزمان ایشوری گیان بتاتا ہے۔ وید اور بائیبل کو نسل انسانی کی روحانی تعلیم کیلئے مخصوص زمانہ تک مکمل کورس قرار دیتا ہے۔ مگر عالمگیر مذہب، تمام قوموں، تمام ملکوں، تمام زمانوں، کے لئے مکمل اور اکمل شریعت اور قانون صرف محمد عربی سیدنا صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قانون پر ہی صادق آتا ہے۔ ذیل میں چند عقلی معیاروں کے ذریعہ اس حقیقت کو وا انکشاف کیا جاتا ہے۔ کہ ان ہر سہ مذاہب میں سے کونسا مذہب عالم گیر مذہب ہے۔ اور دنیا کس مذہب پر کاربند ہو کر اتفاق شیریں ثمر کو حاصل کر سکتی ہے۔

معیار اوّل

عالمگیر مذہب کے لئے از بس ضروری ہے۔ کہ اس مذہب کو خود "عالمگیر مذہب" ہونیکا دعویٰ بھی ہو۔ اگر اس مذہب میں اس بات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس کو محدود المقام والزمان بتایا گیا ہو۔ تو اسکے پیرووں کا آج اسے عالمگیر قرار دینا "مدعی سست گواہ چست" والی بات ہو گی۔ خود اس مذہبی کتاب میں بالتصریح دعوت عامہ ہو۔ اور

پھر اس مذہب کا بانی اور اسکے اولین ریفارمر اسی طریق پر گامزن ہو کر دنیا بھر کو اپنے مذہب کی طرف بلاتے ہوں۔ اگر یہ صورت نہ ہو۔ تو ایسے مذہب کو آج عالمگیر ٹھیرانا "بجوے نیز رد"۔

۱۔ ویدک دھرم ۔ ویدوں میں یہ دعویٰ تلاش کرنا عبث کوشش ہے۔ وید نے کسی جگہ نہیں کہا۔ کہ میں تمام انسانوں تمام قوموں اور تمام زمانوں کے لئے ہوں۔ سناتن دھرمی جو بقول خود ہزارہا سالوں سے ویدوں کی خدمت کرتے آئے ہیں۔ اور انکو پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں۔ انکو کبھی ایک نصف منتر بھی اس مفہوم کا نہ ملا۔ اسلئے وہ غیر ہندوؤں کو تبلیغ کر کے اپنے مذہب کی دعوۃ دینے پر کبھی مستعد نہیں ہوئے۔ اور انکے بزرگوں۔ رشیوں اور پنڈتوں کا یہ طریق آریہ قوم کے جدید تجوزہ مطالب پر بھی روشنی ڈالتا ہے تعجب تو یہ ہے کہ سوامی دیانند جی بانی آریہ سماج بھی یجر وید ۲۶/۲ میں آئے ہوئے لفظ "جن" کے معنی زنار پوش غلط قرار نہیں دے سکے تو اس صورت میں وید صرف برہمن چھتری اور ویش لوگوں کیلئے ہوگا۔ چنانچہ سوامی صاحب نے دنیا کی موجودہ روش سے واقف ہونیکے باعث ایچ پیچ کھیلا مگر وہ ان الفاظ کے لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

(۱) "پرمیشور خود فرماتا ہے۔ کہ ہم نے برہمن۔ کشتری۔ ویش۔ شودر اور ملازم و عورت وغیرہ اور نیچ سے نیچ درجہ کے شودر لوگ وغیرہ کے واسطے بھی ویدوں کا ظہور کیا ہے"۔

(۲) "اور جہاں کہیں ممانعت بھی کی ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو باوجود پڑھنے پڑھانے کے کچھ بھی حاصل نہ ہو۔ وہ بوجہ بے عقل اور جاہل ہونے کے شودر کہلاتا ہے اسکا پڑھنا پڑھانا بے سود ہوتا ہے"۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۳ دفعہ ۱۱۰)

ان ہردو اقتباسات سے عیاں ہے۔ کہ زیادہ سے زیادہ ویدوں کا دائرۂ تبلیغ برہمن کشتری۔ ویش۔ شودر اور ان کی عورتوں تک ہے۔ بلکہ شودروں کیلئے ممانعت بھی ہے چنانچہ دوسری جگہ سوامی صاحب فرماتے ہیں:۔

"آریوں میں مذکورہ بالا طریق سے برہمن کھشتری۔ ویش اور شودر چار تقسیم ہوئیں۔ دوج عالموں کا نام آریہ اور جاہلوں کا نام شودر اناریہ یعنی اناڑی"۔ (ستیارتھ باب ۸ دفعہ ۴۵)

اب صاف واضح ہو گیا۔ کہ وید صرف آریوں کیلئے ہیں نہ کہ عالمگیر کیونکہ سوامی جی لکھ رہے ہیں کہ یہ چار ورن آریہ قوم ہی کے ہیں۔ پس ویدک دھرم عالمگیر مذہب نہ ہوا۔

۲۔ عیسائیت ۔ اناجیل نہایت تصریح کے ساتھ بتاتی ہیں۔ کہ حضرت یسوع مسیح کی بعثت بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ اور آپ تمام عمر بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کرنا ہی اپنا مشن بتاتے رہے۔ اور اسی کام میں اپنے اوقات گرامی کو صرف فرمایا بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی تبلیغ کیلئے بھیجتے وقت صرف اسی پراگندہ گلہ کے جمع کرنیکی ہدایت فرمائی اور مندرجہ ذیل حوالجات باوضاحت اس بیان پر روشنی ڈالتے ہیں:۔

(۱) "اے بیت لحم زمین یہودا! تو یہودا کے سرداروں میں ہرگز چھوٹا نہیں ہے کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار (حضرت مسیح مراد لئے گئے ہیں ناقل) نکلیگا جو میری اُمت اسرائیل کی گلہ بانی کریگا"۔ متی ۲/۶

(۲) "اسکی ماں مریم کو کہا دیکھ یہ (مسیح) اسرائیل میں بہتوں کے گرنے اور اُٹھنے کے لئے اور خلاف کہنے کے نشان کے واسطے رکھا ہے" (لوقا ۳۴/۲)

(۳) "خداوند خدا اس (یسوع) کے باپ داؤد کا تخت اسے دیگا اور وہ ابد تک یعقوب کے گھرانے پر بادشاہت کریگا" لوقا ۳۲/۱

(۴) "اور میں اسے (یسوع) نہ جانتا تھا۔ پر اسلئے کہ وہ بنی اسرائیل پر ظاہر ہوگا۔ اسی سبب سے میں پانی سے بپتسمہ دیتا آیا" یوحنا ۳۱/۱

(۵) "پر ہم امیدوار تھے۔ کہ وہی (مسیح) اسرائیل کو مخلصی دیگا" لوقا ۲۱/۲۴

(۶) "اس (یسوع) نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" متی ۲۴/۱۵

(۷) "ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دے کے کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا" متی ۶-۵/۱۰

(۸) "جب ابن انسان کا بیٹا نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھیگا تو تم بھی بارہ تختوں پر بیٹھو گے اور اسرائیل کے بارہ فرقوں کی عدالت کرو گے" متی ۲۸/۱۹

(۹) "تاکہ میری بادشاہت میں میری میز پر کھاؤ پیو اور تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ فرقوں کی عدالت کرو" لوقا ۳۰/۲۲

(۱۰) "اور رسولوں اور بھائیوں نے جو یہودیہ میں تھے۔ سنا کہ غیر قوموں نے خدا کا کلام قبول کیا۔ اور جب پطرس یروشلم میں آیا تو مختونوں نے اس سے بحث کی اور کہا کہ تو نامختونوں کے پاس گیا۔ اور انکے ساتھ کھایا" اعمال ۳-۲-۱/۱۱

اس مباحثہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یسوع مسیح کی تعلیم ہرگز عالمگیر نہ تھی اور کسی وقت مسیح نے انکو یہ نصیحت نہ کی۔ کہ تمام قوموں کو عیسائیت کی دعوت دینا۔ یہ صرف پطرس کا اپنا ایجاد کردہ طریق تھا۔ اسی بنا پر رسولوں نے اسپر اعتراض کیا۔ اور بعد ازاں بھی انکا دستور العمل یہ تھا کہ:-

"یہودیوں کے سوا اور کسی کو کلام نہ سناتے تھے" اعمال ۱۹/۱۱

علاوہ ازیں بائیبل نے صاف طور پر مانا ہے۔ کہ شریعت موسویہ ابھی تکمیل طلب ہے۔ اور ایسا ہی حضرت مسیح ؑ نے بھی فرمایا۔ کہ عالمگیر اور کامل تعلیم میرے بعد آئیگی جیسا کہ لکھا ہے:-

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا اسلئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا لیکن جو کچھ سُنیگا وہ کہیگا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا" یوحنا ۱۳-۱۲/۱۶

"موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کریگا جو کچھ وہ تم سے کہے اُسکی سُننا اور یہ ہوگا۔ کہ جو شخص اس نبی کی نہ سُنیگا وہ اُمت میں سے نیست و نابود کر دیا جائیگا" اعمال ۲۳-۲۲/۳

۳۔ اسلام - قرآن پاک فرماتا ہے:- (۱) الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ (۲) وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرًا و نذيرًا۔ (۳) قل یا ایھا الناس

رسول اللہ الیکم جمیعا۔ (۴) ان ھو الا ذکر للعالمین (۵) تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا۔ ترجمہ:۔ اب تمھاری شریعت مکمل کردیگئی اور نعمت کو پورے طور پر ظاہر کردیا گیا اور تمھارے لئے اسلام کو ہی پسند کیا۔ اے رسول! ہم نے تجھ کو تمام انسانوں کیلئے بشیر و نذیر کرکے بھیجا ہے۔ رسول تو کہدے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں۔ یہ قرآن تمام قوموں تمام زمانوں کیلئے نصیحت اور ہدایت نامہ ہے۔ بہت برکتوں والا وہ خدا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن کریم کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام دنیا کو ڈرائے۔

آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔ کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ (بخاری) پہلے انبیاء ایک ایک خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور میں تمام لوگوں کیلئے دعوت عامہ لیکر مبعوث ہوا ہوں

آنحضرت صلعم کا طریق دعوت اور دستور العمل کیا تھا؟ ملاحظہ ہو:۔

"حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح نہایت اولوالعزم پیغمبر تھے لیکن ان دونوں کی رسالت اور آنحضرتؐ کی رسالت میں یہ بڑا فرق تھا۔ کہ وہ نبی صرف اپنے بھائیوں یعنی بنی اسرائیل کی ہدایت کو اپنا فرض سمجھتے تھے حضرت موسیٰ کی نبوت اور انکی کل زندگی بنی اسرائیل اور انکے ہی معاملات میں صرف ہوئی حضرت مسیح بھی ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ میں بنی اسرائیل کی بھولی بھٹکی بھیڑوں کو راستہ دکھانے آیا ہوں چنانچہ انہی کی ہدایت میں لگے رہے لیکن آنحضرتؐ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں بنی اسمٰعیل کی ہدایت کے لئے آیا ہوں۔ انہوں نے بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کو ایک آنکھ سے دیکھا بلکہ انہیں اور تمام دنیا کو اپنا بھائی جانا اور سب کو یکساں محبت اور دردمندی سے پیغام الٰہی سنایا بادشاہوں کے شان و شکوہ کا رعب بھی انہیں پیغام الٰہی کے پہنچانے سے مانع نہیں ہوتا تھا۔ وہ جس آزادی سے ایک ادنیٰ غریب آدمی کو صداقت کی طرف بلاتے تھے اسی آزادی سے بے دھڑک عظیم الشان بادشاہوں اور شہنشاہوں کو پیغام حق بھیجتے تھے" (سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانیٔ

معیار ثانی

اللہ تعالیٰ کے قول اور فعل میں تخالف اور تناقض محال ہے۔ قانون قدرت اور قانون شریعت متوازی چلنے والے اور متفق طریق ہیں عالمگیر مذہب کیلئے اللہ تعالیٰ کا عالمگیر قانون نیچر دیکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند، بارش، ہوا وغیرہ عالمگیر اشیاء کے فیضان میں ایشیاء و یورپ اور افریقہ و امریکہ کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا۔ سیاہ و سفید، ہندی و چینی یکساں طور پر خدا تعالیٰ کے فضل کے مورد رہتے ہیں۔ گویا قانون نیچر میں خدا کے جسمانی فیضان کو اقوام، اقالیم سے غیر مختص دکھلایا گیا ہے۔ اب چاہیئے کہ عالمگیر مذہب میں بھی خدا کے روحانی فیضان کو غیر محدود اور تمام اقوام عالم پر جاری و ساری بیان کیا جائے لیکن اگر کسی مذہب میں یہ تعلیم نہ ہو بلکہ خدا کے روحانی نور کو کسی مقام یا مکان یا قوم میں محصور و محدود بتایا گیا ہو۔ تو وہ مذہب ہرگز عالمگیر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ خدا کے صریح قانون قدرت کی مخالفت پر کھڑا ہے۔

۱۔ ویدک دھرم ۔ ایشور کا تمام تر روحانی فیضان آریہ ورت یا تبت کی سرزمین سے مختص ہے۔ اس کا

سلسلہ مکالمہ و مخاطبہ ابتدائے آفرینش میں چار رشیوں (وایو - انگرا - ادت - اگنی) یا صرف برہما سے ہوا۔ بعد ازاں خدا کا زندگی بخش کلام آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا۔ دیگر تمام ممالک اس فیضان الٰہی سے دائمی طور پر محروم رہے ہیں۔ ویدوں پر تمام ودیا کا خاتمہ ہے۔ (رگوید بھومکا اور ستیارتھ)

۲۔ عیسائیت۔ "نجات یہودیوں میں سے ہے" (یوحنا ۴/۲۲) "مجھے یہاں تک منظور ہے تاکہ اپنے بھائیوں کی خاطر جو جسم کے رو سے میرے قرابتی ہیں۔ میں خود مسیح سے محروم ہو جاتا۔ وہ اسرائیلی ہیں اور لے پالک ہونے کا حق اور جلال اور عہود اور شریعت اور عبادت اور وعدے انہیں کے ہیں۔ اور قوم کے بزرگ انہیں کے ہیں اور جسم کی رو سے مسیح بھی انہیں میں سے ہوا" (رومیوں ۹/۳-۵)

۳۔ اسلام۔ (۱) وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر (۳) انما انت منذر ولکل قوم ھاد (۳) ولقد بعثنا فی کل امۃ نذیرا۔ **ترجمہ:۔** ہر قوم اور اہل مذہب میں ہمارے پیغامبر گذرے ہیں۔ تو بھی نذیر ہے اور ہر قوم میں رہنما ہوئے ہیں۔ ہم نے ہر ملت میں ڈرانے والے مبعوث کئے ہیں۔

ناظرین! اب آپ ہی غور فرماویں۔ کہ کس مذہب کی تعلیم خدا کے عالمگیر نیچر کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ اور کس تعلیم پر چل کر دنیا میں صلح، اتفاق کی خوشگوار بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ یقیناً وہ اسلامی تعلیم ہی ہے۔ وہی نیچر کے موافق ہر ملک میں خدا نما انسانوں کے وجود کو ہر زمانہ میں تسلیم کرتی ہے۔ اور اسی کے ماتحت ہو کر ہر قوم کے بزرگوں نبیوں کو مقدس ہستیاں مانا جا سکتا ہے۔ (اور ہم مانتے ہیں) پس عالمگیر مذہب صرف اسلام ہی ہے۔

معیار ثالث

دنیا میں مختلف انواع و حیثیات کے انسان پائے جاتے ہیں۔ امیر و غریب۔ مرد و عورت۔ تندرست و بیمار۔ مسافر و مقیم۔ عالمگیر تعلیم کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہر طبقہ اس پر عمل کر سکتا ہو۔ بصورت ثانی یہ ماننا پڑیگا۔ کہ یا یہ تعلیم عالم الغیب خدا کی طرف سے نہیں اور یا پھر یہ تمام دنیا کیلئے نہیں۔ ورنہ یہ انسانوں کے حالات کے مطابق قابل عمل ہونی چاہیئے تھی۔

۱۔ ویدک دھرم۔ سوامی دیانند جی فرماتے ہیں:۔ "جو شخص یہ دونو کام (سندھیا اور ہوم) صبح و شام کے وقت نہ کرے اسکو بھلے لوگ سب دوجوں کے کاموں سے باہر نکال دیں یعنی اسکو شودر کی مانند سمجھیں" (ستیارتھ باب ۴ دفعہ ۶۱)

(۱) "پرت ھیا اپاسنا تنہا جگہ میں توجہ کو ایک طرف لگا کر کرنی چاہیئے یہ منو سمرتی کا قول ہے جنگل یا تنہا جگہ میں جا کر قائم مزاجی سے پانی کے نزدیک بیٹھکر نت کرم کرنیکے بعد گائتری منتر کو پڑھے" "کم از کم ایک ایک گھنٹہ ضرور دھیان کرے، جیسے مراقبہ میں ہوگی۔ لوگ پرماتما کا تصور باندھتے ہیں ویسے ہی سندھیا اپاسن بھی کیا کریں" (ستیارتھ باب ۳ دفعہ ۱۴ و ۱۵) "اس لئے دن اور رات کے ملاپ میں یعنی طلوع اور غروب آفتاب کے وقت پر پرمیشور کا دھیان (سندھیا) اور اگنی ہوتر ضرور کرنا چاہیئے" (ستیارتھ باب ۴ دفعہ ۴)

(۲) "سوال۔ ہر ایک آدمی کتنی آہوتی کرے اور ایک ایک آہوتی کا اندازہ کتنا ہے؟ جواب۔ ہر ایک آدمی کو (ہوم میں) سولہ سولہ آہوتی اور

چھ چھ ماسے گھی وغیرہ ہر ایک آہوتی کا اندازہ کم از کم ہونا چاہیئے اور جو اس سے زیادہ کرے تو بہت اچھا ہے۔" (ستیارتھ باب ۳ دفعہ ۲۲)

گویا ہر آدمی ہر دو نو وقت آٹھ آٹھ تولہ آگ کی نذر کرے اور "وغیرہ" کی تشریح حسب ذیل ہے:-

"کستوری۔ کیسر۔ اگر تگر۔ سفید چندن۔ الائچی۔ جائفل۔ جاوتری۔ گھی دودھ۔ پھل۔ اناج۔ چاول۔ گندم۔ اور غیرہ تسکر۔ شہد۔ چھوہارے کشمس وغیرہ" (سنسکار ودھی اردو صفحہ ۳۷)

گویا سندھیا اور ہوم بجا لائے بغیر ویدک دھرمی نہیں بن سکتا۔ مگر انکے بجا لانے کی جو صورت ہے۔ کیا عورتیں سورج کے طلوع سے ایک گھنٹہ پہلے اور غروب سے ایک گھنٹہ بعد جنگل میں پانی کے کنارے یہ عبادت بجا لا سکتی ہیں؟ کیا مسافر اور برفانی ممالک کے باشندے اس پانی کے کنارے والی تعلیم پر کاربند ہوسکتے ہیں۔ یا کیا متوسط الحال آریہ بھی دونو وقت علاوہ اشیاء مذکورہ کے آٹھ تولہ گھی نذر آتش کرسکتا ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں چنانچہ ایک آریہ اخبار لکھتا ہے:- "آجکل جبکہ کھانے تک کے لئے گھی دستیاب نہیں ہوتا۔ تو دونو وقت ہوم کون کریگا" (کانپور گزٹ ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء)

۲- عیسائیت "شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں" (گلتیوں $\frac{3}{12}$)

گو مسیح کوئی نئی شریعت نہ لیکر آئے تاہم انہوں نے موسوی شریعت کے متعلق فرمایا ہے: "آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطے کے گھٹ جانے سے آسان ہے" (لوقا $\frac{16}{17}$)

"یہ گمان مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں" (متی $\frac{5}{17}$)

باقی جو انجیل میں توریت کے احکام طلاق وغیرہ کی تردید کیگئی ہے وہ تو عیاں ہی ہے۔ ہاں مسیحیت کی مخصوص تعلیم یہ ہے:-

"پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے۔ دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کرے اور تیری قبا لیلے تو تو کرتا بھی اُسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لیجاوے اسکے ساتھ دو کوس چلا جا" متی $\frac{5}{39}$

کیا یہ خوشنما تعلیم قابل عمل ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس حکم پر پابند ہونے سے حکومتیں قائم نہیں ہوسکتیں۔ اور نہ افراد کی عزت و آبرو۔ مال و دولت و جان محفوظ رہ سکتی ہے۔ غرض تمدن انسانی کے لئے یہ تعلیم نہایت خطرناک ہے۔

۳- اسلام - عبادات میں ہر مسلم پر نماز فرض کیگئی۔ جسکے لئے خاص اشیاء۔ اعلیٰ مکان کی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ ادا ہوسکتی ہے۔ وضو کیلئے پانی درکار ہے۔ جو سب انسانوں کو میسر ہے۔ بیمار ہو یا پانی نہ ملے تو تیمم کرلے یعنی پاک مٹی سے وضو کرلے۔ باقی عبادات مالی۔ مالداروں کیلئے ہیں۔ روزہ عام عبادت ہے۔ امیر و غریب اسکے بجالانے میں یکساں ہیں۔ بیمار اور مسافر کیلئے ایام اُخر اور فدیہ طعام مسکین بتادیا۔ تمدن میں جنرل قانون بتایا۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلها فمن عفی واصلح فاجرہٗ علی اللّٰہ (پ ۲۵ ع ۵) کہ عفو کے وقت کے مناسب معاف کرو اور انتقام کے مناسب مقام پر انتقام لو۔ ہر دو دروازے کھلے ہیں مناسب وقت حکم پر عمل کرو مگر ہر صورت میں "اصلاح" مدنظر رکھو۔

معیار رابع

جو چیزیں عالمگیر ہیں۔ قدرت نے ان کی حفاظت خود کی ہے۔ سورج کو دیکھ لو۔ وہ کسی انسان کے تصرف میں نہیں۔ ایسا ہی عالمگیر مذہب یعنی اسکی مذہبی کتاب کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ ہی کریگا۔ اگر ایسا نہ ہو۔ تو وہ کتاب عالمگیر نہیں ہوسکتی۔ حفاظت کے لئے

تین پہلو ہیں۔ (ا) خدا خود وعدہ فرمائے۔ کہ میں اس کتاب کی حفاظت کرونگا۔ (ب) اس کتاب کی زبان کو زندہ رکھے۔ کیونکہ کسی الہامی کتاب کی زبان کا مفقود ہوجانا اس کتاب کے مردہ ہونیکی دلیل ہے (ج) عملی طور پر بھی اس کتاب کی حفاظت کیگئی ہو۔

۱۔ ویدک دھرم ۔ وید کی حفاظت کا ایشور نے کہیں وعدہ نہیں فرمایا۔ اور پھر جس زبان میں وید بتلائے جاتے ہیں وہ زبان مردہ ہے۔ کسی ملک میں بولی نہیں جاتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وید کی تفاسیر پنڈت مہی دھر و سوامی دیانند جی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور وید کی حفاظت کا کوئی تسلی بخش ذریعہ نہیں تھا۔ ویدوں کا حافظ کوئی نہ تھا۔ اور یوں اسکو مٹا دیا گیا چنانچہ سوامی جی بھی لکھتے ہیں:۔

"جینی وید کے معنے نہ جانکر بیرونی پوپ لیلا کی بنیاد غلطی سے ویدوں پر مانکر ویدوں کی بھی مذمت کرنے لگے اسکے پڑھنے پڑھانے یگیوپویت وغیرہ اور برہمچریہ وغیرہ اصولوں کو بھی تباہ کیا۔ جہاں جتنی کتابیں وید وغیرہ کی پائیں انکو تلف کیا...... ایسی تین سو برس تک آریہ ورت میں جینیوں کی سلطنت رہی۔ بہت لوگ وید کے علم وغیرہ سے ناواقف ہوگئے تھے۔" (ستیارتھ پرکاش باب ۱۱ دفعہ ۲۰)

ایک حاکم سلطنت تین سو برس تک ویدوں کو تلف کرنیکے درپے رہے ؟ اب انکے صحیح اور محفوظ ہونیکا خیال ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اجمیر اور بمبئی۔ آریوں اور سناتنیوں کے شائع کردہ ویدوں میں منتروں کا اختلاف بھی موجود ہے آریہ سماج کو دعویٰ ہے۔ کہ وید قدیم اور انسانوں کی پہلے کی کتاب ہے۔ مگر اسمیں لکھا ہے:۔

"تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے حواس کو مغلوب اور روئے زمین کو فتح کیا ہے۔" (رگوید بھوبکا بحوالہ اتھروید ۹۷/۳ ۱۴۲/۳)

اب یا آریہ سماج کا دعویٰ غلط ہے۔ یا یہ منتر بعد میں ملایا گیا ہے۔ اور یہ عملی ثبوت ہے۔ کہ ویدوں کی ایشور نے حفاظت نہیں فرمائی۔ اور یوں بھی کون دس برس عمر والے پرانے کپڑوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

۲۔ عیسائیت ۔ بائیبل بالخصوص اناجیل کا موجودہ زمانہ میں جو حال ہے۔ اور آئے دن اسمیں جو کتر و بیونت ہوتی رہتی ہے۔ وہ زبان زد عالم ہے۔ آیتوں کی آیتیں غائب ہوجاتی ہیں۔ نمونتاً دیکھئے ۱۸۲۲ء کی مطبوعہ اناجیل میں متی باب ۱۷ آیت ۲۱ یوں ہے:۔ "پر یہ جنس (دیو) بغیر دعا اور روزے کے نہیں نکلتی۔"

لیکن بعد کی اناجیل اور بالخصوص موجودہ اناجیل میں سے یہ آیت بمع نمبر کے ہی محذوف ہے۔ اور اس تمام تر تحریف کی وجہ یہ ہے۔ کہ خود خدا نے کسی جگہ نہ فرمایا تھا۔ کہ میں اسکی حفاظت کرونگا۔ اور پھر بائیبل کی زبان (عبرانی) بھی صفحہ زمین سے نابود ہوگئی۔ وہ کسی خطہ زمین کی زبان نہ رہی۔

۳۔ اسلام ۔ وعدہ الٰہی موجود ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (الحجر ع ۱) کہ ہم نے ہی قرآن مجید کو نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے۔ عربی زبان زندہ اور ناطق زبان ہے۔ نزول قرآن کے وقت اگر یہ عرب کی سرزمین میں بولی جاتی تھی۔ تو آج۔ مصر۔ الجزائر۔ شام وغیرہ میں بھی یہی زبان رائج ہے۔ حفاظت ظاہری کیلئے ہر زمانے میں ہزارہا حفاظ

خدمتیں لگا دیئے گئے۔ گویا قرآن شریف اپنے نزول سے ہی انسانی سینوں میں محفوظ چلا آتا ہے۔ ممکن ہے۔ گردش زمانہ سے اوراق مٹ جائیں مگر نسل انسانی کے بقا تک قرآن پاک دنیا میں محفوظ رہے گا۔ کیونکہ یہ صرف کاغذوں میں نہیں بلکہ انسانی صدور میں موجود ہے۔ اور اتنا ذائع و شائع ہے۔ کہ عیسائی بھی معترف ہیں۔ کہ "ایسا ہی حال مسلمانوں کی کتاب (قرآن مجید) کا ہے۔ عرب۔ ترکستان۔ فارس۔ مصر۔ افغانستان۔ ممالک افریقہ اور ہندوستان میں وہ ناطق ہے ہر جگہ اسکی تلاوت ہو رہی ہے۔ ہر جگہ اسکی آواز کانوں میں سنائی دیتی ہے" (زندہ جاوید بائیبل یا وید صفحہ ۵)

معیار خامس

انسان اپنی عملی زندگی میں نمونہ کا محتاج ہے۔ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ دنیا کے مختلف طبقوں۔ امیر و غریب، حاکم و محکوم، آقا و نوکر، تاجر و پیشہ ور۔ مجرد و شادی شدہ وغیرہ کے لئے کامل نمونہ پیش کرے اور احکام شرعیہ کی تکلیف مالا یطاق ثابت کرنیکے لئے ایک انسان کو ہی بطور "اسوہ حسنہ" دنیا میں ظاہر کرے۔ کیونکہ بغیر نمونہ کے پورا اثر اور اتمام حجت نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت مسیح نے حواریوں کے پاؤں دھو کر دکھائے اور فرمایا:-

"میں نے تم کو ایک نمونہ دکھلایا ہے۔ کہ جیسا میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے تم بھی کیا کرو"۔ یوحنا ۱۳/۱۵

پس عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ عالمگیر نمونہ پیش کرے۔ جسکی دنیا اقتداء کرے۔

۱۔ ویدک دھرم۔ چار رشی جو بقول سناتن دھرم آگ ہوا وغیرہ کے نام ہیں۔ مجہول ہیں۔ کوئی انکے حالات زندگی انکے قول و فعل سے واقف نہیں۔ وہ کیونکہ نمونہ ہو سکتے ہیں۔ سوامی دیانند جی بھی علیٰ ہذا القیاس ہیں۔ وہ حاکم نہ ہوئے ہمیشہ محکوم رہے وہ بقول خود ہمیشہ مجرد رہے نہ جانتے تھے۔ کہ عورتوں سے کیا سلوک کرنا چاہیئے اور نہ ہی انپر بیوی بچوں کا بوجھ تھا کہ وہ شادی شدہ آریوں کے لئے نمونہ بن سکتے۔ اور باقی انکی زندگی کیسی تھی۔ اسکے لئے انکی خود نوشت سوانح عمری پڑھ لیجائے یا "انیسویں صدی کا مہرشی" مصنفہ میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق قادیان ملاحظہ کیجائے۔

۲۔ عیسائیت۔ لے دیکر یسوع مسیح کو پیش کیا جا سکتا تھا۔ لیکن چونکہ وہ خدا ہیں اسلئے انسانوں کے لئے نمونہ کیسے بن سکتے ہیں اور پھر آپ بھی تمام حالات دنیوی میں سے نہیں گذرے۔ آپ کبھی بر سر حکومت نہ تھے۔ کہ انکے عفو کا امتحان ہو سکتا۔ اور نہ شادی شدہ تھے۔ کہ بیوی بچوں کا فکر رکھتے ہوئے بھی عبادت الٰہی میں مشغول نظر آتے۔ اور پھر آپنے کبھی نہ فرمایا۔ کہ میں تمام انسانوں کے لئے نمونہ ہوں۔

۳۔ اسلام۔ بانی اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی موافق و مخالف سب نے دنیا تک پہنچائی ہے۔ آپ پر تمام حالات آئے۔ آپنے حالت یتیم میں نشو و نما پایا اور غربت آپکا گھوارہ اور افلاس آپکے ہم دوش تھا۔ آپنے تجارت بھی کی۔ دوسروں کی ملازمت بھی کی۔ ایک لمبے عرصہ تک مجردانہ زندگی میں اپنی پاکدامنی کا ثبوت دیا۔ حتیٰ کہ آپ کی قوم بے اختیار بول اٹھی "عشق محمد علی ربہ" کہ آپ تو خدا تعالیٰ کے عاشق ہیں! امانت اور دیانت میں وہ نمونہ دکھلایا۔ کہ دشمن بھی اپنی امانتیں آپکے پاس رکھتے تھے پھر شادیاں بھی ہیں۔ اور مضبوط

بازوؤں پر تمام بوجھ اُٹھائے۔ مگر کوئی بات آپکو عبادت الٰہی سے غافل نہ کر سکی۔ آپ برسر حکومت بھی ہوئے۔ آپکے دشمن پابجولاں آپکے سامنے لائے گئے۔ مگر اس مجسمہ عفو نے بجز درگذر کے کوئی سرزنش تک نہ کی۔ آپکے دوست بھی تھے۔ دشمن بھی۔ آپکے وفادار اور جان نثار خادم بھی تھے اور دھوکہ دینے والے منافق بھی۔ مگر کیا کوئی چیز اس "عاشق کامل" کو خدا کے دروازہ سے پھیر سکی۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس صرف اور صرف وہی عالمگیر نمونہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر۔ کہ یہ رسول تمھارے لئے کامل نمونہ ہے:۔ (باقی دارد)

صداقت مسیح موعود علیہ السلام کا کھلا کھلا نشان

لدھیانوی مخالف بدزبان کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ مشتہرہ ۵ر اکتوبر ۱۸۹۴ء میں لکھا۔ "خدا نے مجھے اسی وقت ۲۹ر ستمبر ۱۸۹۴ء کو تیری نسبت الہام ہوا ہے۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔" پھر انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۵۹ پر تحریر فرمایا۔ "ایسا وقوع میں نہ آیا اور وہ (سعد اللہ) نامراد اور رسوا نہ مرا تو سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں۔" یہ پیشگوئی اسوقت کی ہے جب سعد اللہ خوب مضبوط جوان تھا اور اس کا ایک لڑکا ۱۵ سال کا بھی موجود تھا۔ اسکے بعد جو حالات ہیں وہ حضورؑ کی تحریر مندرجہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۶۴ مرتبہ ۱۹۰۶ء مندرج ہیں ارشاد ہوتا ہے:۔ "تخمیناً تیرہ برس ہوئے کہ جب مجھے سعد اللہ نو مسلم لدھیانوی کی نسبت الہام ہوا تھا اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ دیکھو انوار الاسلام در اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ صفحہ ۱۲۔ اسوقت ایک بیٹا سعد اللہ کا بعمر ۱۶ یا ۱۵ برس کا موجود تھا۔ بعد اس وحی کے باوجود گذرنے ۱۳ برس کے ایک بچہ بھی اسکے گھر میں نہیں ہوا۔ اور پہلا لڑکا اسکا بموجب الہام موصوف کے اس قابل نہیں کہ اس سے نسل جاری ہو سکے پس ابتر کی پیشگوئی کا ثبوت ظاہر ہے۔ اور قطع نسل کی علامات موجود۔" پھر لفظ "موجود" پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "اگر سعد اللہ کا پہلا لڑکا نامرد نہیں ہے جو الہام انّ شانئک ھو الابتر سے پہلے پیدا ہو چکا تھا جسکی عمر تخمیناً تیس برس کی ہے تو کیا وجہ کہ باوجود اسقدر عمر گذرنے اور استطاعت کے ابتک اسکی شادی نہیں ہوئی اور نہ اسکی شادی کا کچھ فکر ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ سعد اللہ پر فرض ہے کہ اس پیشگوئی کی تکذیب کے لئے یا تو اپنے گھر اولاد پیدا کر کے دکھلا دے اور یا پہلے لڑکے کی شادی کر کے اور اولاد حاصل کرا کر اسکی مردی ثابت کر دے اور یاد رکھے کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات اسکو ہرگز حاصل نہیں ہوگی۔ کیونکہ خدا کے کلام نے اسکا نام ابتر رکھا ہے۔ اور ممکن نہیں کہ خدا کا کلام باطل ہو۔ یقیناً وہ ابتر ہی مریگا جیسا کہ آثار نے ظاہر بھی کر دیا ہے۔" (حقیقۃ الوحی مرتبہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۳۶۴)

سبحان اللہ کتنا بڑا یقین ہے اور کس زور کی تحدی ہے کیسی صاف اور کھلی کھلی پیشین گوئی ہے۔ کہ وہ سعد اللہ یقیناً ابتر مریگا اور نہ صرف وہ نامراد مریگا بلکہ اسکا بیٹا جو پیشگوئی سے پہلے موجود تھا وہ بھی لاولد ہی مریگا کسقدر دنیاوی تدابیر لیجائیں مگر خدا کی تقدیر برنگ تعزیر ظاہر ہو کر رہیگی۔ یہ تحریر ۱۹۰۶ء کی ہے جبکہ سلسلہ کے ایک وکیل نے اسکی اشاعت پر مقدمہ ہو جانیکا خوف ظاہر کیا مگر حضورؑ نے فرمایا۔ ایسا ہو کر رہیگا چنانچہ الحکم ۲۴ر نومبر ۱۹۰۶ء میں الہام لو اقسم علی اللہ لابرہ درج ہے جسکی تشریح الاستفتاء عربی ضمیمہ حقیقۃ الوحی میں یوں فرمائی۔ اوحی الیّ ربی فی امر موتہ وخزیہ وقطع نسلہ بما اقتضاہ وقال انّ شانئک ھو الابتر۔ فاشعت بین الناس ما اوحی ربی الاکبر × × فمنعنی من ذالک وکیل × × ×

پھر ایک بار یہ حجت قائم ہوئی کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے سچے اور برگزیدہ نبی ہیں:۔

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پانچ تاریخ قادیان دارالامان ضلع گورداسپور پنجاب سے شایع ہوتا ہے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۷۹

لا اله الا الله محمد رسول الله

بسم الله الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ہو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

ریویو آف ریلیجنز اردو رسالہ

ایڈیٹر۔ قاضی محمد ظہور الدین۔ اکمل

نمبر ۹ ستمبر سنہ ۱۹۲۶ء مطابق صفر المظفر سنہ ۱۳۴۵ھ جلد ۲۵

فہرست مضامین

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں منشی عبد الرحمن کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپکر قادیان سے شائع کیا۔

احباب توجہ فرمائیں

اُردو ریویو آف ریلیجنز کے خریدار دن بدن کم ہو رہے ہیں۔ باوجود انتہائی کفایت کے اخراجات آمد سے زیادہ ہیں یہ حالات رسالہ جاری رکھنے کے مخالف پیدا ہو رہے ہیں حضرت مسیح موعودؑ و خلفاء آنحضورؐ کے ارشادات احباب کو معلوم ہیں اسی بناء پر جناب ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ نے پندرہ سو چٹھی بیرونجات میں بھجوائی مگر تا حال چالیس خریدار بھی نہیں بڑھے کم از کم پانسو خریدار نیا مطلوب ہے۔ اس چٹھی کی تعمیل میں ہر فرد کو ایک نہ ایک خریدار مہیا کرنے کی کوشش چاہیئے ؞

عیسائی لٹریچر حال ہی میں پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور نے مفصلہ ذیل رسالے شائع کیئے ہیں۔ خلافت قیمت ۸/ ۔ شریعت ارتداد قیمت ۲/ تکمیل الانجیل (پیغام یسوع) قیمت ۴/ ۔ عالمگیر مذہب قیمت ۶/ عبد المسیح مشتمل بر دعوت اسلام حجم ۲۴۰ صفحے ۔ الغزالی قیمت ۱۲/ حجم ۲۷۲ صفحے

عیسائی کوششیں ہماری توجہ چاہتی ہیں۔

گوشت خوری پر علمی نظر

خوراک کے لحاظ سے دنیا میں دو بڑے گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو گوشت خوری کو ظالمانہ کام خیال کرتے ہیں۔ اور صرف سبزی پر گذارہ کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو سوائے ان جانوروں کے جن کا گوشت طب کی رو سے انسان کے جسم اور روح کے لئے مضر ہے۔ باقی سب جانوروں کا گوشت کھانا جائز سمجھتے ہیں۔ اول الذکر جماعت میں زیادہ تر ہندو اور بدھ مت کے پیرو ہیں۔ گوشت خوری کی مخالفت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ اور ان خیالات کا اثر یورپین ممالک میں بھی ہو رہا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے بعض تعلیم یافتہ لوگ یہ خیال کرنے لگ گئے ہیں۔ کہ گوشت خوری ایک ظالمانہ فعل ہے۔ جس سے شریف آدمیوں کو پرہیز لازمی ہے۔

گوشت کا استعمال ایک معمولی بات ہے۔ اور اس کا مذہب کی سچائی کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ لیکن آریوں نے خواہ مخواہ اسے بڑھا دیا ہے۔ اور اسکے خلاف بڑے زور سے پرچار کرتے ہیں۔ اور اسے غیر قدرتی غذا قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اسکے ثبوت میں بڑے بڑے ڈاکٹروں کی رائے پیش کرتے ہیں۔ اور گوشت خوری کو سخت ظلم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر مبسوط بحث کی جائے۔ اور تاریخی اور طبی دونو پہلوؤں سے ثابت کیا جائے۔ کہ گوشت نہ صرف قدرتی غذا ہے۔ بلکہ گوشت خوری انسانی بقا اور ترقی کے لئے بہت حد تک ضروری ہے۔

اس مضمون میں انشاءاللہ گوشت خوری کے فوائد اور اسکی ضرورت پر مفصل علمی بحث کیجائیگی۔ اور ثابت کیا جائیگا کہ انسان کی مجموعی اخلاقی ترقی کے لئے گوشت خوری ضروری ہے۔ بیشتر قبل اسکے کہ ہم گوشت خوری کے جواز میں طبی دلائل دیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم غذا کیوں کھاتے ہیں

ہم غذا کیوں کھاتے ہیں؟

غذا کی ضرورت تمام جاندار خوراک کے محتاج ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کے قیام کے لئے جسم

گرم رکھنا ضروری ہے۔ اور اس کے علاوہ کام کاج کرنے سے جسم کا جو حصہ گھٹ جاتا ہے۔ اس کی دوبارہ مرمّت کرنے کے لئے بھی غذا کی ضرورت ہے۔ پس غذا کے تین بڑے فوائد ہیں۔

۱۔ جسم کی حرارت غریزی کو قائم رکھنا۔ جس سے جسم گرم رہتا ہے۔ اور جو حرارت کیمیائی عمل سے خارج ہوتی رہتی ہے۔ غذا اسکو دوبارہ قائم کرتی ہے۔ جس طرح کوئلہ انجن میں ملتا ہے۔ اسی طرح غذا جسم کے اندر جاکر تحلیل ہوتی اور جلتی ہے۔ جسم کی حرارت کو قائم رکھنے والی اغذیہ زیادہ تر۔ چربی۔ مکھن۔ گھی۔ نشاستہ۔ اور چینی ہیں۔ مگر موجودہ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے۔ کہ اجزائے بیضہ (گوشت انڈہ وغیرہ) کا بھی اس میں بہت دخل ہے۔ چنانچہ یہ بات تجربہ سے معلوم کی گئی ہے کہ جو لوگ اجزائے لحمیہ یا بیضیہ کم کھاتے ہیں۔ ان کو سردی زیادہ لگتی ہے۔ (اس کے متعلق مفصل بحث انشاء اللہ آگے آئیگی)

۲۔ دوسرا کام غذا کا یہ ہے کہ کام کاج کرنے میں عضلات اور اعصاب کا جو حصہ کم ہو جاتا ہے۔ اس کی مرمّت کی جاتی ہے۔ مرمّت کے کام کے لئے زیادہ تر اجزائے بیضیہ اور لحمیہ کام آتے ہیں مثلاً گوشت۔ انڈہ۔ دودھ وغیرہ۔

۳۔ تیسرا کام غذا کا یہ ہے کہ اس سے جسم کے لئے ٹشوز (اجزائے بدنی) بنائے جاتے ہیں۔ اور عضلات اور اعصاب کی پرورش کی جاتی ہے جس سے وہ حجم اور طاقت وغیرہ میں بڑھتے ہیں۔ اس بات کی ضرورت بچوں میں خاص طور پر زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ انکا جسم جلدی جلدی بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس کام کے لئے بھی اجزائے بیضیہ اور لحمیہ از قسم گوشت۔ دودھ۔ انڈہ وغیرہ کی جسم کو ضرورت ہوتی ہے۔

پروٹین کی اہمیت اور اسکے حصول کے ذرائع سب ڈاکٹروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زندگی کے قیام کے لئے ایک مناسب مقدار اجزائے بیضیہ (پروٹین) اجزائے نشاستہ۔ چربی پانی اور نمک کی جسم کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ کیونکہ اس سے جسم کا جو حصہ کام کاج کرنے میں صرف ہو جاتا ہے اسکی مرمّت کی جاتی ہے۔ اور نئے ٹشوز (اجزائے بدنی) بھی اسی سے بنتے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ جسم پروٹین اور پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ دماغی کام کرنے والوں کو خصوصیت سے پروٹین کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اور اُن کے لئے اعلیٰ اور زود ہضم غذا کی ضرورت ہے نہ کہ زیادہ مقدار کی۔ ہاں جسمانی کام کرنے والوں کو پروٹین کی نسبت کم اجزائے نشاستہ اور چربی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اس بات کے ثابت کر چکنے کے بعد کہ پروٹین انسانی زندگی کے قیام کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اجزائے بیضیہ (پروٹین) کے حصول کے نیچر نے کیا ذرائع رکھے ہیں۔ اسکا جواب

یہ ہے کہ پروٹین کے حصول کے دو بڑے ذرائع ہیں۔ ایک حیوانی اور دوسرا نباتاتی۔ حیوانی پروٹین گوشت۔ انڈہ۔ دودھ وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور نباتاتی پروٹین آٹا۔ سبزی۔ مٹر۔ لوبیا۔ مختلف دالوں میں پایا جاتا ہے۔ اب جب یہ معلوم ہوگیا۔ کہ پروٹین جس پر سب زندگی کا انحصار ہے۔ اسکے حصول کا ایک ذریعہ نباتات بھی ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ پروٹین کے حصول کے لئے غریب بیکس جانوروں کی جان ضائع کیجائے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ نباتاتی پروٹین حیوانی پروٹین سے ادنیٰ ہیں۔ اور جسم ان سے پورا فائدہ نہیں حاصل کرسکتا۔ چنانچہ اس کا ثبوت ہم حیوانی اور نباتاتی پروٹین کے مقابلہ سے دیتے ہیں۔

حیوانی اور نباتاتی پروٹین کا مقابلہ مختلف غذاؤں کا مقابلہ کرتے وقت ہمیں ان چار باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے (۱) اس میں پروٹین کی کل مقدار۔ (۲) اسکی ترکیب کیمیاوی۔ (۳) ہضم ہونے اور جزو بدن بننے کی قابلیت۔ (۴) اسکی قیمت۔

ان میں سے پہلے تین امور کا ہم لحاظ رکھیں گے۔ کیونکہ قیمت کا سوال ایک اقتصادی امر ہے واضح ہو کہ پروٹین کی کُل مقدار کے لحاظ سے حیوانی اور نباتاتی اغذیہ میں چنداں فرق نہیں۔ بلکہ بعض دالوں میں پروٹین زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ مگر صرف مقدار کچھ چیز نہیں۔ کیونکہ غذائیت کا زیادہ انحصار کسی غذا کی ترکیب کیمیائی اور اسکے ہضم ہونے اور جزو بدن بننے کی قابلیت پر ہے۔ اسکے متعلق یاد رکھو۔ کہ ترکیب کیمیائی کے لحاظ سے حیوانی اور نباتاتی پروٹین میں فرق ہے۔ چنانچہ حیوانی پروٹین میں نائٹروجن کے اجزاء زیادہ ہوتے ہیں۔ اور نباتاتی پروٹین میں نسبتاً کم مگر اس کی بجائے نباتاتی پروٹین میں کاربن کے اجزاء زیادہ ہوتے ہیں چونکہ جسم کو نائٹروجن کی ضرورت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ اسلئے پروفیسر حیٹنڈن کی رائے ہے۔ کہ نباتاتی پروٹین حیوانی پروٹین سے ادنیٰ درجہ پر ہیں۔

(۲) ایک اور نقص نباتاتی۔ پروٹین میں یہ ہے۔ کہ یہ اچھی طرح ہضم نہیں ہوسکتے۔ اس لیئے کہ انمیں پروٹین کے اجزاء ایک سخت ریشہ دار جھلّی (جسکو سیلیولوز کہتے ہیں) کے اندر ہوتے ہیں۔ جو بطور غلاف کے انکو لپٹے ہوئے ہوتی ہے۔ یہ جھلّی نہایت ثقیل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جسم میں اس کے انہضام کے لئے کوئی رطوبت نہیں رکھی گئی۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اسمیں انتڑیوں کے جراثیم تعفن پیدا کرکے اسکے اجزاء کو پھاڑ کر مختلف متعفن گیسوں اور پانی کی صورت میں بدل دیتے ہیں۔ اسلئے بہت سا نباتاتی پروٹین ضائع ہو جاتا ہے۔ اور جزوِ بدن نہیں بن سکتا۔ سوائے اسکے کہ انتڑیوں میں نفخ اور تعفن ہو کر سارا دن ریح خارج ہوتی رہے۔ جیسا کہ سبزی خوروں میں عموماً دیکھا جاتا ہے۔

(۳) پھر نباتاتی پروٹین حیوانی پروٹین سے اس لئے بھی ادنیٰ ہیں۔ کہ یہ جذب ہوکر پورے طور پر جزو بدن نہیں بن سکتے۔ اسکے برخلاف حیوانی پروٹین جلدی ہضم ہوکر انتڑیوں مین جذب ہوجاتے ہیں۔ اور جزو بدن بھی بنجاتے ہیں۔

گو اکثر نباتاتی اور حیوانی پروٹین ترکیب کیمیاوی کے لحاظ سے برابر ہیں۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ ایک دوسرے کا بدل ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ صرف ترکیب کیمیاوی میں مشابہت کچھ چیز نہیں۔ جبتک ان میں ہضم ہونے اور جزو بدن بننے کی بھی قابلیت نہ ہو۔ مثلاً سخت اُبلا ہوا انڈہ ترکیب کیمیاوی کے لحاظ سے ایک اعلیٰ غذا ہے۔ مگر جسم اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا کیونکہ اسکا ہضم کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح جھلّی (جو ہڈیوں سے نکلتی ہے) نہایت زود ہضم چیز ہے۔ مگر جسم کے لئے بے فائدہ ہے۔ کیونکہ یہ جزو بدن نہیں بن سکتی۔

غذا کا پتلا یا ہلکا اور گاڑھا یا تیز ہونا بھی نمایاں فرق پیدا کردیتا ہے۔ مثلاً وسکی کا ایک اونس ترکیب کیمیاوی کے لحاظ سے وہی ہے۔ خواہ اسکو بغیر پانی ملائے پی لیا جائے یا پانی ملاکر۔ مگر اسکے اثرات مختلف ہونگے۔

اب سوال جو درحقیقت درپیش ہے۔ یہ ہے کہ نباتاتی پروٹین کسی حد تک جزو بدن بن سکتی ہیں بنگال کے جھیلوں میں جو معمولی بلا گوشت غذا دیجاتی ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔ چاول ۲۶ اونس دال ۶ اونس۔ سبزی ۶ اونس اور کچھ تیل مصالحہ وغیرہ۔ اس غذا میں کُل پروٹین ۹۳ گرام ہیں۔ اور اس سے کل ۳۵۰۸ کیلوری حرارت کی پیدا ہوسکتی ہے۔ اب اس نباتاتی غذا کی کُل مقدار اسقدر ہے کہ اس سے معدہ اور امعاء پر بہت بوجھ پڑجاتا ہے۔ جس سے فعل ہضم پوری طرح نہیں ہوسکتا۔ اور غذا جذب نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کُل پروٹین کا تھوڑا سا حصہ جسم کے کام آسکتا ہے۔ چنانچہ اس غذا کے ۹۳ گرام میں سے صرف ۶۰ گرام پروٹین جزو بدن بنتے ہیں۔ اور ۳۳ گرام ضائع ہوجاتے ہیں۔

صرف سبزی کھانے کے نقصان

اسکے علاوہ ایک اور نقصان اس نباتاتی غذا کا یہ ہے۔ کہ چونکہ معدہ اور امعاء کو ایک بڑا انبار غذا کا ہضم کرنا اور حرکت دینا پڑتا ہے۔ اس لئے جسم کو خون کی بہت زیادہ مقدار اعضاء ہضم کی طرف بھیجنی پڑتی ہے۔ اور عصبی طاقت بھی زیادہ خرچ کرنی پڑتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جسم کے دیگر ضروری اعضاء اور خاصکر اعضائے رئیسہ کی طرف خون کم جاتا ہے۔ جس سے جسم کی پروٹین بخوبی نہیں ہوسکتی۔ اور قد بھی نہیں بڑھتا۔ مگر اسکے برخلاف ان لوگوں کا پیٹ بہت پھول جاتا ہے۔ چنانچہ آئرلینڈ کے کسانوں کے پیٹ اور ہندوستان کے بنئے کی توند ضرب المثل ہیں۔ اسکی

وجہ صرف یہ ہے کہ ان لوگوں کو غذا زیادہ مقدار میں کھانی پڑتی ہے۔ کیونکہ سبزی میں غذائیت کم ہوتی ہے۔ اسلئے صحیح کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اسے زیادہ مقدار میں کھانا پڑتا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعضائے ہضم بہت بڑھ جاتے ہیں۔ اور چربی انکے گرد جمع ہوجاتی ہے۔ مگر طاقت ہاضمہ میں کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ اسکے علاوہ سبزیوں میں پانی زیادہ مقدار میں ہوتا ہے۔ مگر اس سے جسم کی پانی کی مانگ کم نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ پانی اُلٹا جسم کو ڈھیلا اور سُست کردیتا ہے۔ اور خون کو رقیق کرتا ہے۔

بنگال جیل کی نباتاتی غذا جو اوپر بتائی گئی ہے۔ اُس میں سے بہت سا پروٹین ضائع ہوجاتا ہے لیکن اُسی غذا میں اگر تھوڑا سا آٹا اور مچھلی ملالی جائے۔ اور اتنی ہی چاول اور دال کی مقدار کم کردی جائے۔ تو پروٹین زیادہ مقدار میں جذب ہوجاتے ہیں۔ اور اُن کو جزوِ بدن بننے میں آسانی ہوتی ہے۔ صرف نباتاتی غذا کھانے سے بہت سی نائٹروجن فضلہ کے رستہ خارج ہوجاتی ہے۔ اور اس طرح پروٹین کا اکثر حصہ ضائع ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے۔ صرف یہ ہے کہ نباتاتی پروٹین کے گرد جو سخت ریشہ دار جھلّی ہوتی ہے۔ اسکو ہضم کرنے کے لئے جسم میں کوئی رطوبت نہیں۔ اور جراثیم تعفن پیدا کرکے اسکو پھاڑتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر وائٹ نے معلوم کیا ہے کہ سبزی خوروں کے پاخانہ میں ۴۲ فیصدی نائٹروجن ضائع ہوجاتا ہے۔ اور اسکے برخلاف حیوانی غذا کھانے سے پاخانہ میں صحت کی حالت میں نائٹروجن کی مقدار نہیں بڑھتی۔ ہری سبزیوں میں سے ۱۵ فیصدی۔ مولی اور شلغم میں ۲۰ فیصدی اور لوبیا میں سے ۳۰ فیصدی خوراک کا حصہ فضلات کے رستہ بالکل ضائع ہوجاتا ہے۔

اسکے مقابل میں حیوانی غذا از قسم گوشت۔ انڈہ وغیرہ کھانے سے نائٹروجن بہت کم مقدار میں ضائع ہوتا ہے۔ اور صرف ۷ فیصدی (نباتاتی غذا سے ۴۲ فیصدی) نائٹروجن پاخانہ میں نکلتی ہے سبزی انتڑیوں کی حرکت کو تیز کردیتی ہے۔ اسلئے غذا میں سے پانی پوری طرح جذب نہیں ہوسکتا چنانچہ معمولی مخلوط غذا کھانے سے صرف ۳۵ گرام خشک مادہ اور ۱۰۰ گرام پانی پاخانہ میں نکلتا ہے۔ مگر سبزی کھانے سے ۷۵ گرام خشک مادہ اور ۲۶۰ گرام پانی نکل جاتا ہے۔

یہ سب امور ثابت کرتے ہیں کہ حیوانی پروٹین نباتاتی پروٹین سے بدرجہا افضل ہیں۔ اور جسم کے لئے زیادہ مفید ہیں۔ اس لئے کہ وہ جلدی ہضم ہوکر جزوِ بدن بن جاتے ہیں۔ پس ہم کو چاہیئے کہ حیوانی غذا کا استعمال ضرور جاری رکھیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ مسلمان چونکہ گوشت کھانے کے عادی ہیں۔ اس لئے اُن میں بہ نسبت ہندوؤں کے جو زیادہ تر سبزی خور ہیں۔ حیوانی پروٹین کو جذب کرنے کی طاقت زیادہ ہے۔